



جنگ جنگ و صفین

تاریخ اور آثارِ سلف کی روشنی میں

تالیف

حَبِیبُ الْأُمَمَاتِ عَارِفُ الْإِسْلَامِ

مُحَمَّدُ مَوْلَانَا مُفْتِی حَبِیبُ اللَّهِ صَاحِبُ قَاتِیغِی دَآرِ اَلْاِیْمَةِ

شیخ الحدیث و صدر مفتی، بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، ستر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خَلِیْفَتُهُ وَمَجَازُ بَیْعَتِ

حضرت مفتی محمد حسن صاحب گنگوہی و حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

مکتبہ حَبِیبُ الْأُمَمَاتِ

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، ستر پور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا

جنگ و صفین

(تاریخ و آثارِ سلف کی روشنی میں)

تالیف: شیخ الحدیث و صدر مفتی بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، ستر پور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا

اسلامی تاریخ کے سب سے نازک اور حساس ابواب میں سے ایک وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین پیش آنے والے سیاسی و اجتہادی اختلافات، خصوصاً جنگِ جمل اور جنگِ صفین سے متعلق ہے، یہ وہ واقعات ہیں جنہیں ایمان و ادب کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ یہ اختلاف کسی شخصی مفاد یا دنیوی غرض پر مبنی نہ تھا بلکہ اجتہاد اور فہم دین کا نتیجہ تھا، اور دونوں جانب وہ مقدس ہستیاں تھیں جن کے ایمان و تقویٰ پر امت کا اجماع ہے۔

یہ کتاب انہی واقعات کی مستند اور تحقیقی تصویر پیش کرتی ہے۔ اس میں قرآن و سنت کی نصوص، آثار صحابہ و تابعین، ائمہ اربعہ و محدثین کی آراء اور معتبر تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں ان جنگوں کے اسباب، محرکات اور نتائج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ضعیف و موضوع روایات سے اجتناب اور سلف صالحین کے منہج کو اختیار کرنا اس تصنیف کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

مصنف نے ایک متوازن، غیر متعصب اور تحقیقی اسلوب میں ان ابواب کا تجزیہ کیا ہے تاکہ امت کو حقائق کی صحیح صورت حال معلوم ہو، صحابہ کرام کی عظمت و حرمت واضح ہو اور قاری فرقہ واریت سے بالا ہو کر قرآن و سنت اور احترامِ سلف کی طرف رجوع کرے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

صحابہ کی محبت دین کی بنیاد ہے

جو اس کو چھوڑ دے محروم ایمان رہ گیا

ناشر: مکتبہ حَبِیبُ الْأُمَمَاتِ، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، ستر پور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا

رابطہ نمبر: 9450546400, 7054136788, 8439791465

MAKTABA HABIBUL UMMAT

Jamia Islamia Darul Uloom

Muhazzabpru, P.O. Sanjarpur, Dist. Azamgarh, U.P. India (Mob: +91 9450546400)

جنگِ جمل و صفین

تاریخ اور آثارِ سلف کی روشنی میں

تالیف

حَبِیبُ الْأُمِّیَّتِ عَارِفُ اللَّهِ

مُحَمَّدُ الْوَلَدُ الْمُفْتِیُّ حَبِیبُ اللَّهِ صَاحِبُ اَلْمَعْرِیِّ وَ اَلْاَمْرِ

شیخ الحدیث و صدر مفتی، بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم ہند پور بھنڈہ پور، اعظم گڑھ، یوپی

خَلِیْفَتُہُ وَ مَجَازِیْبِعُ

مفتی محمود حسن صاحب گورنری و محترم مولانا عبدالحلیم صاحب جو پوری

مکتبہ حَبِیبُ الْأُمِّیَّتِ

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم ہند پور بھنڈہ پور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا

نام کتاب:	جنگ جمل و صفین (تاریخ و آثار سلف کی روشنی میں)
تالیف:	حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
صفحات:	152
تعداد اشاعت:	1100
سن اشاعت:	1447ھ - مطابق 2025ء
قیمت:	150
ناشر:	مکتبہ حبیب الامت، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا

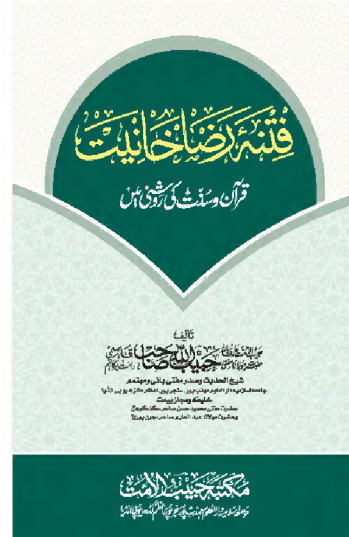
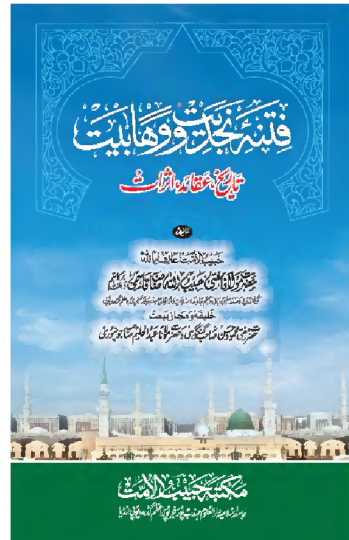
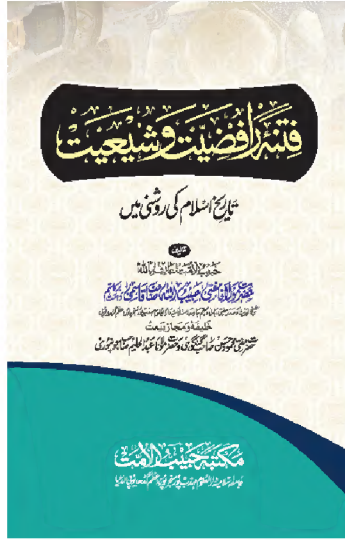
ملنے کا پتہ

مکتبہ حبیب الامت

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

رابطہ نمبر: 9450546400, 7054316788

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



فہرست

9	پیش لفظ
13	1- خلافت راشدہ اور امت کا اتحاد
16	2- سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا طرز خلافت
19	3- امت کا اتحاد اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم
23	4- نفاق و خارجی تحریکوں کا پس پردہ جنم لینا
26	5- فتنہ کی ابتدا اور اس کا بانی
29	6- عبداللہ بن سبا کا تعارف اور یہودی پس منظر
32	7- سبایت کا نظریہ: وصایت والوہیت علی کا دعویٰ
34	8- فتنہ کو ہوا دینے والے عناصر: منافقین، یہودی اور خارجی
37	9- شہادت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور اس کے اثرات
40	10- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی اصلاحی اقدامات
43	11- باغیوں کی سازشیں اور مدینہ پر چڑھائی

6	جنگِ جمل و صفین: تاریخ و آثارِ سلف کی روشنی میں
46	12- شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے نتائج
50	13- امت میں اضطراب اور قصاصِ عثمان کا مسئلہ
56	14- بصرہ کا سفر، مقصدِ قصاصِ عثمان اور سبائیوں کی شرارت
58	15- مقاصد اور غلط فہمیاں
61	16- مقاصد اور غلط فہمیاں
64	17- جنگِ جمل کی انتہا اور نتائج
67	18- جنگِ جمل کے شہداء
69	19- جنگِ صفین (حضرت علی اور حضرت معاویہ کا موقف)
72	20- شام اور عراق کی سیاسی صورتحال
75	21- حضرت علیؑ کا موقف (پہلے استحکام، پھر قصاص)
78	22- حضرت معاویہؓ کا موقف (پہلے قصاص، پھر بیعت)
81	23- معرکہ صفین کی تفصیل
84	24- جنگِ صفین کی ابتداء (تاریخی تجزیہ اور آثارِ سلف کی روشنی میں)
87	25- قرآنِ کریم کو نیزوں پر بلند کرنا اور اس کے اثرات
90	26- حکمین کا فیصلہ اور نتائج

94	حکمین کا تعین (تاریخ و آثارِ سلف کی روشنی میں)	27-
98	فیصلہ کی کیفیت	28-
100	خوارج کا خروج	29-
103	فقہی و اصولی مباحث (حکمیت و ثالثی کا شرعی جواز، تحکیم پر محدثین و فقہاء کا موقف، اور خوارج کے نظریات کا رد)	30-
107	معاصر تناظر (امت میں اختلافات کے حل میں ثالثی و حکمین کی افادیت اور خوارج کے نظریات کی تجدیدِ ظہور و اس کا تدارک)	31-
111	فتنہ کی پیشینگوئی (قرآن و حدیث کی روشنی میں)	32-
114	اجماعِ صحابہ و تابعین	33-
117	ائمہ اربعہ کا موقف	34-
120	محدثین و فقہاء کا تجزیہ	35-
123	اقوالِ سلف صالحین اور اولیاءِ کرام کا موقف	36-
125	جنگِ جمل و صفین کے نتائج و اثرات	37-
128	جنگِ جمل و صفین کے نتائج و اثرات	38-
131	جنگِ جمل و صفین کے سیاسی اثرات	39-

8	جنگِ جمل و صفین: تاریخ و آثارِ سلف کی روشنی میں
134	جنگِ جمل و صفین کے فکری و علمی اثرات -40
137	جنگِ جمل و صفین کے مذہبی و اعتقادی اثرات -41
140	جنگِ جمل و صفین کے سیاسی و معاشرتی اثرات -42
143	دروس و عبرتیں (جنگِ جمل و صفین سے سبق) -43
146	فتنوں سے بچاؤ کے اصول -44
149	اختتامیہ (جنگِ جمل و صفین: تاریخ و آثارِ سلف کی روشنی میں) -45



پیش لفظ

(جنگِ جمل و صفین: تاریخ و آثارِ سلف کی روشنی میں)

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

اسلام کی تاریخ میں کچھ ایسے ابواب ہیں جنہیں پڑھتے وقت دل لرز جاتا ہے اور آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ ان ابواب میں سب سے زیادہ حساس اور نزاکت خیز باب وہ ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آنے والے بعض سیاسی و اجتہادی اختلافات خصوصاً جنگِ جمل اور جنگِ صفین کا ذکر آتا ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے ایمان اور ادب کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ اختلاف کسی دنیوی یا شخصی مفاد پر مبنی نہ تھا بلکہ اجتہاد اور فہمِ دین کے نتائج تھے، اور دونوں طرف ایسے عظیم صحابہ کرام تھے جن کے ایمان و تقویٰ، اخلاص و عمل پر پوری امت کا اجماع ہے۔

تعارف موضوع کی نزاکت اور حساسیت: یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و حرمت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“ (التوبہ: 100)۔ یعنی مہاجرین و انصار میں سے سبقت کرنے والے اور وہ جو ان کے پیچھے احسان کے ساتھ چلے، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا: لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدًّا أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ (صحیح البخاری: 3673، صحیح مسلم: 2540)۔ یعنی میرے صحابہ کو برا مت کہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک مُد یا اس کے آدھے کے برابر بھی نہ ہوگا۔ ان نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آنے والے اختلافات کو ہرگز عام انسانی جھگڑوں کی طرح نہیں لیا جاسکتا۔ ان کے اجتہاد میں اگر اختلاف ہوا تو بھی وہ امت کے لیے خیر و برکت کا سبب بنا، اور ان کے اجتہاد پر امت کے لیے علمی ورثہ چھوڑ گیا۔

مقصد کتاب: اس کتاب کی ترتیب کا مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ کو تاریخ کے ان ابواب کی صحیح اور مستند تصویر پیش کی جائے جو عموماً مسخ یا مبالغے کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں درج ذیل نکات کو سامنے رکھا گیا ہے: 1- صحابہ کرام کی عظمت و مقام کو اجاگر کرنا اور ان پر زبانِ طعن دراز کرنے والوں کے باطل شبہات کا

رد کرنا۔ 2- جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے حقیقی اسباب و محرکات کو بیان کرنا تاکہ امت کو معلوم ہو کہ یہ واقعات دینی غیرت اور اجتہادی فہم کا نتیجہ تھے، نہ کہ دنیاوی لالچ کا۔ 3- امت کے سامنے سلف صالحین کی رہنمائی اور منہج پیش کرنا تاکہ قارئین جان سکیں کہ اس بارے میں سلف کا اسلوب کیا تھا۔ 4- امت کو موجودہ دور میں فرقہ واریت اور تعصب سے نکال کر رجوع الی القرآن والسنة اور احترامِ سلف کی طرف بلانا۔

تحقیق کا منہج: اس کتاب کی تالیف میں درج ذیل منہج اختیار کیا گیا ہے: قرآن و سنت کی روشنی میں تحقیق: تمام مباحث کو قرآن کریم اور صحیح احادیث کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔ اجماعِ امت کا احترام: صحابہ کرام کی عدالت اور ان کی عظمت پر جو اجماع ہے، اس سے انحراف نہیں کیا جائے گا۔ ضعیف و موضوع روایات سے اجتناب: وہ روایات جو سنداً کمزور یا ناقابلِ اعتماد ہیں، ان سے احتراز کیا جائے گا۔ سلف صالحین کے منہج کو اپنانا: تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ، محدثین اور فقہاء کی آراء سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ معتدل اور تحقیقی اسلوب: ایسا لب و لہجہ اختیار کیا جائے گا جس میں ادب، تحقیق اور انصاف کا توازن قائم رہے۔

خلاصہ و نتائج: یہ مقدمہ دراصل قاری کو یہ سمجھانے کے لیے ہے کہ جنگِ جمل و صفین جیسے نازک اور حساس تاریخی ابواب کو پڑھتے وقت صحابہ کرام کی عظمت اور اجتہادی شان پیش نظر رہنی چاہیے۔ ان واقعات کو فرقہ واریت یا فتنہ پھیلانے کے لیے استعمال کرنا ایک بڑی علمی خیانت ہے۔ کتاب کا مقصد امت کو اصل حقائق کی طرف

لائنا، اور سلف صالحین کی روشنی میں ان کا تجزیہ کرنا ہے تاکہ امت انتشار سے بچ سکے اور قرآن و سنت کے سایے میں اتحاد کی راہ پر گامزن ہو۔ اللہم وفقنا لماتحب وترضی، واجعل اخرتنا خیرا من الاولی۔

حردہ

مفتی حبیب اللہ قاسمی

خادم الحدیث والافتاء

مؤسس و رئیس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، بنجر پور اعظم گڑھ یو پی انڈیا

تاریخ: 21/ربیع الاول 1447ھ، مطابق: 16/اگست 2025، یوم السبت (شنبہ)



خلافت راشدہ اور امت کا اتحاد

خلافت راشدہ اسلام کی تاریخ کا وہ روشن اور درخشاں دور ہے جسے بجا طور پر سنہری عہد کہا جاتا ہے۔ اس عہد میں قرآن و سنت کی روشنی میں ایسا نظام قائم کیا گیا جو دنیا کے دیگر نظامہائے سیاست و حکومت سے بالکل منفرد اور اعلیٰ تھا۔ اس دور میں عدل و انصاف کا بول بالا، شریعت الہی کا نفاذ، اور امت کے باہمی اتحاد کی ایسی مثالیں قائم ہوئیں جو آج تک اسلامی تاریخ کا سرمایہ افتخار ہیں۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے فیصلوں، طرز حکمرانی اور ذاتی سیرت و کردار کے ذریعے اس بات کو واضح کیا کہ اسلام صرف ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

خلافت راشدہ کی شرعی حیثیت: 1- قرآن و سنت کی روشنی میں: اللہ تعالیٰ
نے قرآن کریم میں امت کو اتحاد کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا** (آل عمران: 103)۔ یعنی اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ یہ آیت خلافت کے اصل مقصد کو واضح کرتی ہے کہ امت ایک مرکز اور ایک قیادت کے تحت متحد رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **تَلَزُمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ** (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث: 1847)۔ یعنی تم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ رہو۔ یہ نصوص اس حقیقت کی

طرف واضح اشارہ کرتی ہیں کہ خلافتِ اسلامیہ شرعی اعتبار سے مسلمانوں کے اتحاد و اجتماع کی اساس ہے۔ 2- خلفائے راشدین کا انتخاب اور امت کا اجماع: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب سے لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک ہر مرحلہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خلافتِ راشدہ محض ایک سیاسی ادارہ نہیں تھا بلکہ امت کے اجماع اور شرعی اصولوں پر مبنی تھا۔ صحابہ کرام نے اپنی اجتماعی بصیرت اور اجتہادی بصائر کی بنیاد پر خلفائے راشدین کا انتخاب کیا اور امت نے انہیں خلیفہ برحق تسلیم کیا۔ 3- خلافتِ راشدہ اور سنتِ نبوی ﷺ کا تسلسل: خلافتِ راشدہ دراصل حضور اکرم ﷺ کی سنت کا تسلسل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عَلَيكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ (سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، حدیث: 4607)۔ یعنی تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین کے فیصلے اور طرزِ عمل شریعت کا حصہ اور امت کے لیے قابلِ اتباع ہیں۔

خلافتِ راشدہ اور امت کا اتحاد: 1- عدل و انصاف کا قیام: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: لوگوں کو اسلام نے آزاد کیا ہے، تم انہیں غلام مت بناؤ (کتب تاریخ: ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 7، ص 101)۔ یہی عدل و مساوات خلافتِ راشدہ کے زمانے میں امت کے اتحاد کی اصل بنیاد بنی۔ 2- شریعت کی بالادستی: خلافتِ راشدہ کا سب سے نمایاں پہلو یہ تھا کہ ہر فیصلہ اور ہر عمل قرآن و سنت کے تابع تھا۔ کوئی

حکمران یا صحابی بھی خود کو شریعت سے بالاتر نہیں سمجھتا تھا۔ 3- قربانی اور ایثار: خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام نے اپنی ذاتی خواہشات کو امت کے اجتماعی مفاد پر قربان کیا۔ یہی قربانی امت کے اتحاد اور دین کی بقا کا ذریعہ بنی۔ 4- شوریٰ اور اجتماعی رائے: اہم فیصلوں میں صحابہ کی شوریٰ اور مشاورت سے فیصلہ کیا جاتا۔ یہی طرز عمل امت کے اندر اعتماد اور یکجہتی پیدا کرتا تھا۔

خلاصہ و نتائج: خلافت راشدہ امت مسلمہ کے اتحاد اور شریعت کے نفاذ کا بہترین نمونہ تھی۔ خلفائے راشدین کے فیصلے قرآن و سنت کے مطابق تھے اور یہ اس بات کا عملی اعلان تھا کہ امت کی قیادت صرف وحی الہی کے تابع رہ کر ہی ممکن ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانی، ایثار اور تقویٰ اس خلافت کی بقا اور استحکام کی بنیاد تھی۔ آج کے دور میں امت کو اتحاد و اجتماع کی طرف لوٹنے کے لیے خلافت راشدہ کے اصولوں سے رہنمائی لینا ناگزیر ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم سورۃ آل عمران: 103، سورۃ النور: 55، سورۃ الحجرات: 10-2- صحیح البخاری کتاب الاحکام، حدیث: 7137، 7144۔ (مکتبہ دارالسلام، ریاض، 2000، جلد 9، ص 98)۔ 3- صحیح مسلم کتاب الامارۃ، حدیث: 1847۔ (دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1991، جلد 12، ص 230)۔ 4- سنن ابی داؤد کتاب السنہ، حدیث: 4607۔ (دار الفکر، بیروت، 1994، جلد 4، ص 200)۔ 5- تاریخ الطبری محمد بن جریر الطبری، (دار التراث، بیروت، 1387ھ، جلد

3، ص 202)۔ 6- البدایہ والنہایہ ابن کثیر الدمشقی، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1985، جلد 7، ص 101)۔ 7- الہدایہ فی شرح بدلیۃ المبتدی المرغینانی، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، 200، جلد 1، ص 88)۔ 8- فتوح البلدان احمد بن یحییٰ البلاذری، (دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1988، جلد 1، ص 35)۔ 9- معاصر علماء مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، خلافت و ملوکیت (مکتبۃ الفرقان، لکھنؤ، 1985، ص 40-25)۔

سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا طرزِ خلافت

خلافتِ راشدہ کے ابتدائی دو ادوار یعنی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسلامی تاریخ کے وہ زریں اور تابناک ابواب ہیں جن میں عدل و انصاف، شریعت کی بالادستی، حکمت و تدبیر اور امت کے اتحاد کی عظیم مثالیں قائم ہوئیں۔ ان دونوں جلیل القدر خلفاء نے رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کے عطا کردہ اصولِ حکمرانی کو عملی قالب میں ڈھال کر دنیا کو بتایا کہ خلافت محض اقتدار کا نام نہیں بلکہ ایک عظیم امانت اور دینی ذمہ داری ہے۔

1- سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طرزِ خلافت: (الف) انتخابِ خلافت

اور اصولِ شوریٰ: حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب امت ایک نازک مرحلے سے دوچار تھی تو اہل حل و عقد نے مشاورت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ خلافت امت کی اجتماعی رضا اور شورائی نظام پر

قائم ہے۔ (ب) خطبہ افتتاحیہ: عدل و شریعت کی پاسداری: خلافت کے آغاز پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تم پر حاکم بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں درست رہوں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔ میری اطاعت تم پر اس وقت تک لازم ہے جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں (تاریخ طبری، ج 3، ص 202، دار التراث، بیروت)۔ یہ الفاظ ایک ایسے حکمران کے طرزِ خلافت کو ظاہر کرتے ہیں جو نہ خود کو معصوم سمجھتا ہے اور نہ رعایا کو غلام؛ بلکہ ایک ایسا نظام قائم کرتا ہے جس میں امت، شریعت کی بالادستی کے تحت متحد رہتی ہے۔ (ج) ارتداد کے فتنوں کا مقابلہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکاۃ اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کے خلاف جہاد کیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! اگر وہ لوگ ایک رسی بھی روکتے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال کرتا (صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، حدیث 1399)۔ یہ طرزِ عمل امت کے اتحاد، دین کی حفاظت اور شریعت کی تطہیر کا عملی اعلان تھا۔

2- سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا طرزِ خلافت: (الف) عدل و انصاف کا

مظہر: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تاریخ اسلام میں عدل و انصاف کا نمونہ کہا جاتا ہے۔ ان کے فیصلے قرآن و سنت کی روشنی میں ہوتے تھے۔ ایک موقع پر فرمایا: لوگوں کو اسلام نے آزاد کیا ہے، تم انہیں غلام مت بناؤ (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 101، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔ (ب) نظام قضا اور انتظامی اصلاحات: آپ نے قاضیوں کا تقرر کیا اور عدالتی نظام قائم فرمایا تاکہ عوام براہِ راست انصاف سے بہرہ مند ہوں۔ فوجی

نظام، بیت المال کی تنظیم اور نئے مفتوحہ علاقوں میں انتظامی ڈھانچے آپ کی خلافت کی خصوصیات ہیں۔ (ج) شوریٰ اور احتساب: آپ ہر بڑے فیصلے میں اصحاب شوریٰ سے مشاورت فرماتے اور بیت المال کے معاملات میں خود احتسابی کا اعلیٰ ترین معیار پیش کرتے۔ ایک موقع پر فرمایا: اگر فرات کے کنارے ایک کتابھی بھوکا مر گیا تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں سوال کرے گا (تاریخ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 273، دار صادر، بیروت)۔ (د) مفتوحہ علاقوں میں رعایا کے حقوق: غیر مسلم رعایا کو تحفظ، انصاف اور مذہبی آزادی دینا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ آپ نے اہل ذمہ کے حقوق کی ضمانت دی اور اس کے عملی نفاذ کی سخت نگرانی فرمائی۔

3- دونوں خلفاء کا مشترکہ طرزِ خلافت: شریعتِ الہی کو مرکزیت دینا۔ شورائی نظام پر عمل درآمد۔ عدل و انصاف کو عملی قالب دینا۔ رعایا کے جان و مال کے تحفظ کو اولین ذمہ داری سمجھنا۔ امت کو ہر حال میں اتحاد و اجتماعیت کی طرف بلانا۔ خلاصہ و نتائج: خلافتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے یہ ثابت کیا کہ خلافت کا مقصد اقتدار نہیں بلکہ امت کی قیادت اور دین کی حفاظت ہے۔ عدل، مساوات، شورائی نظام اور شریعت کی بالادستی ان دونوں ادوار کے نمایاں اصول تھے۔ ان کے طرزِ حکمرانی نے امت کو ایک مضبوط مرکز فراہم کیا اور آئندہ نسلوں کے لیے عملی نمونہ چھوڑا۔ آج کے دور میں امت کا اتحاد انہی اصولوں کی پیروی میں مضمر ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الكريم آل عمران: 103، النساء: 59، النور: 55۔ 2- صحیح البخاری کتاب الزکاة، حدیث: 1399؛ کتاب الاحکام، حدیث: 7137۔ (مکتبہ دار السلام، ریاض، 2000، ج 2، ص 108؛ ج 9، ص 98)۔ 3- صحیح مسلم کتاب الامارۃ، حدیث: 1847۔ (دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1991، ج 12، ص 230)۔ 4- تاریخ الطبری محمد بن جریر الطبری، (دار التراث، بیروت، 1387ھ، ج 3، ص 202)۔ 5- البدایہ والنہایہ ابن کثیر الدمشقی، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1985، ج 7، ص 101)۔ 6- الطبقات الکبریٰ محمد بن سعد، (دار صادر، بیروت، 1960، ج 3، ص 272)۔ 7- الہدایہ فی شرح بدلیۃ المبتدی المرغینانی، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2000، ج 1، ص 88)۔ 8- فتوح البلدان احمد بن یحییٰ البلاذری، (دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1988، ج 1، ص 35)۔ 9- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، خلافت و ملوکیت (مکتبۃ الفرقان، لکھنؤ، 1985، ص 60-25)۔

امت کا اتحاد اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم

امت مسلمہ کے اتحاد کی سب سے روشن اور معتبر مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ صحابہ وہ مقدس جماعت ہے جنہوں نے براہ راست نبی اکرم ﷺ سے فیض پایا، دین کو اپنے دل و دماغ اور عمل و کردار میں جذب کیا اور پھر اسے دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔ ان کا اجماع نہ صرف امت کے لیے ایک عظیم اصولی دلیل

ہے بلکہ یہ امت کے اتحاد اور اجتماعی شعور کا عملی ثبوت بھی ہے۔ اجماع صحابہ دراصل اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ امت کی اجتماعی راہنمائی اور اس کے اتحاد کی بنیاد صحابہ کے فیصلوں، ان کی مشاورت اور ان کے اجماعی فہم پر قائم ہے۔

1- اجماع کی شرعی حیثیت: اجماع کو اصول فقہ میں قرآن و سنت کے بعد

تیسرا بنیادی ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ (النساء: 115)۔ یعنی جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنین کے راستے کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس کی طرف وہ گیا۔ اس آیت میں سبیل المؤمنین کی پیروی کا حکم اور اس کے خلاف چلنے کی مذمت اجماع کی بنیاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ (سنن الترمذی، کتاب الفتن، حدیث 2167)۔ یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ یہ حدیث اجماع امت کی حجیت کو واضح کرتی ہے، اور بالخصوص اجماع صحابہ کا درجہ سب سے بلند ہے کیونکہ وہ براہ راست شارع ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔

2- اجماع صحابہ کی تاریخی مثالیں: (الف) خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد امت ایک بڑے امتحان سے گزری۔ اس موقع پر انصار و مہاجرین نے مشاورت کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع کیا۔ یہ اجماع اس بات کا ثبوت ہے کہ امت کی قیادت صحابہ کے اجماعی فیصلے کے مطابق

طے پائی۔ (ب) جمع قرآن کا عظیم کارنامہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی منظوری سے قرآن کو ایک مصحف میں جمع کیا گیا۔ بعد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی مشاورت سے اس کی نقول بنوا کر امت میں تقسیم کیں۔ یہ کارنامہ اجماع صحابہ کی روشن دلیل ہے۔ (ج) مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مانعین زکاۃ کے خلاف قتال کے مسئلہ پر پہلے کچھ صحابہ متردد تھے، لیکن پھر سب نے اتفاق کیا۔ یہ اجماع امت کے عقیدہ و عمل کو ایک ہی دائرے میں رکھنے کی ضمانت بن گیا۔ (د) خلافت فاروق اعظم اور انتظامی اصلاحات: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نئے مفتوحہ علاقوں میں بیت المال، عدلیہ اور فوجی نظام قائم کیا، اور صحابہ نے اس پر اجماع فرمایا۔ یہ اسلامی ریاستی ڈھانچے کی بنیاد ہے۔

3- اجماع صحابہ اور امت کا اتحاد: اجماع، افتراق کا علاج: اجماع صحابہ نے اس دور کے اندر امت کو انتشار سے محفوظ رکھا۔ نمونہ عمل: امت کے بعد کے ادوار میں ہر اختلاف کو سلجھانے کا سب سے بڑا اصول یہی قرار پایا کہ صحابہ کے اجماع کو حجت سمجھا جائے۔ فقہ اسلامی میں اجماع کا مقام: ائمہ اربعہ نے اجماع صحابہ کو قطعی دلیل تسلیم کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إذا اجتمع الصحابة على أمر فهو الحق الذي لا يسهل مخالفته (اگر صحابہ کسی بات پر جمع ہو جائیں تو وہی حق ہے جس کی مخالفت جائز نہیں) (المنار للنفسی، ص 196، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)۔

4- معاصر علما کی توضیحات: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اجماع صحابہ وہ واحد سرمایہ ہے جس نے امت کو فکری انتشار سے بچایا اور بعد کے ادوار میں ہر اجتہادی اختلاف کے باوجود دین کے بنیادی ڈھانچے کو ایک ہی مرکز پر قائم رکھا (خلافت و ملوکیت، ص 40، مکتبہ الفرقان، لکھنؤ)۔

خلاصہ و نتائج: اجماع صحابہ امت کے اتحاد کی سب سے بڑی دلیل اور اس کا مضبوط قلعہ ہے۔ خلافت راشدہ، جمع قرآن، مانعین زکاة کے خلاف قتال اور مفتوحہ علاقوں کی اصلاحات سب اجماع صحابہ کے شاہکار ہیں۔ اجماع صحابہ ہی وہ بنیاد ہے جس نے امت کو بکھرنے سے محفوظ رکھا اور آج بھی یہ امت کے اتحاد کے لیے چراغِ راہ ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم النساء: 115، آل عمران: 103-2- صحیح البخاری کتاب الزکاة، حدیث: 1399؛ کتاب فضائل القرآن، حدیث: 4986۔ (مکتبہ دار السلام، ریاض، 2000، ج 2، ص 108؛ ج 6، ص 99)۔ 3- صحیح مسلم کتاب الامارۃ، حدیث: 1847۔ (دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1991، ج 12، ص 230)۔ 4- سنن الترمذی کتاب الفتن، حدیث: 2167۔ (دار الفکر، بیروت، 1994، ج 4، ص 465)۔ 5- تاریخ الطبری محمد بن جریر الطبری، (دار التراث، بیروت، 1387ھ، ج 3، ص 202)۔ 6- البدایہ والنہایہ ابن کثیر الدمشقی، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1985، ج 7، ص 101)۔ 7- الطبقات الکبریٰ محمد بن سعد، (دار صادر، بیروت، 1960، ج 3، ص 273)۔ 8- الہدایہ فی شرح بدلیۃ المبتدی المرغینانی، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2000، ج 1، ص 88)۔ 9- المنار فی اصول

الفقه النسفی، (دار المعرفہ، بیروت، 1986، ص 196)۔ 10۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، خلافت و ملوکیت (مکتبہ الفرقان، لکھنؤ، 1985، ص 40)۔

نفاق و خارجی تحریکوں کا پس پردہ جنم لینا

اسلام ایک کامل و جامع دین ہے جس نے انسانیت کو ایمان، اخوت اور اتحاد کا درس دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں دین اپنی اصل اور خالص صورت میں قائم رہا، مگر ساتھ ہی دشمنان اسلام نے اسلام کی روز افزوں ترقی اور مسلمانوں کے اتحاد کو دیکھ کر اپنی پرانی دشمنی کو مختلف روپوں میں ظاہر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دور خلافت راشدہ میں جہاں ایمان و تقویٰ کی چمک دمک تھی، وہیں نفاق و باطل تحریکوں کے جراثیم خفیہ طور پر پروان چڑھ رہے تھے، جنہوں نے بعد میں بڑے فتنوں کی شکل اختیار کی۔

نفاق کا آغاز اور پس منظر: نفاق دراصل اسلام کے ظاہری غلبہ کے بعد پیدا ہونے والی ایک باطنی بیماری تھی۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور جزیرہ عرب میں اسلام کی حکمرانی قائم ہوئی، تو وہ لوگ جو اسلام کی دعوت کو برداشت نہ کر سکے، مگر کھلے کفر کی جرأت بھی نہ رکھتے تھے، انہوں نے بظاہر اسلام قبول کیا مگر دل میں کفر و بغض چھپائے رکھا۔ قرآن کریم نے ان منافقین کا متعدد مقامات پر پردہ فاش کیا: ”وَإِذَا لَقُوا

الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ“ (البقرہ: 14)۔ اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے، اور جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مذاق کر رہے ہیں۔ ان منافقین کا اصل مقصد امت کے اتحاد کو توڑنا، شکوک و شبہات پیدا کرنا اور اسلامی نظام کو کمزور کرنا تھا۔

منافقین اور اسلام دشمن قوتیں: مدینہ منورہ کے یہود و نصاریٰ اور باقی دشمن قوتیں شروع دن سے ہی اسلام کے خلاف سرگرم تھیں۔ انہوں نے نفاق کے راستے کو اپنایا اور اسلام کے خلاف اندرونی سازشوں کو ہوا دی۔ بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ نفاق ایک سیاسی مجبوری کے نتیجے میں پیدا ہوا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ خالص دینی و ایمانی بغض اور اسلام دشمنی کی وجہ سے جنم لینے والی تحریک تھی۔

خارجی تحریک کا ظہور: نفاق کے جراثیم نے آگے چل کر خارجی تحریک کی شکل اختیار کی۔ یہ وہ گروہ تھا جو بظاہر عبادت گزار، قرآن کے قاری اور متشدد متقی دکھائی دیتا تھا، مگر حقیقت میں دین کے مزاج اور سنت نبوی ﷺ سے سخت دور تھا۔ خوارج نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں لا حُکْمَ إِلَّا لِلَّهِ کا نعرہ بلند کیا، مگر ان کا مقصد شریعت کا قیام نہیں بلکہ امت میں انتشار اور خلافت کے نظم کو توڑنا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا: کَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيدَ بِهَا بَاطِلٌ (صحیح مسلم، حدیث: 1066)۔ یہ حق کی بات ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔

نفاق و خارجیت کے اثرات: یہ تحریکیں دراصل اسلام دشمن عناصر کا ہتھیار تھیں۔ انہوں نے امتِ مسلمہ کے اتحاد کو نقصان پہنچایا۔ صحابہ کرام کے مقام پر شبہات ڈالنے کی کوشش کی۔ جنگِ جمل و صفین جیسے سانحات کے پس پردہ بھی انہی تحریکوں کے اثرات کارفرما تھے۔

خلاصہ و نتائج: 1- نفاق اسلام کے غلبے کے بعد دشمنانِ اسلام کی خفیہ سازش کے نتیجے میں جنم لینے والی بیماری تھی۔ 2- منافقین کا اصل ہدف امت کے اتحاد کو توڑنا اور دین کو کمزور کرنا تھا۔ 3- خارجی تحریک نفاق کی ہی ایک عملی شکل تھی، جو شدت پسندی اور بغاوت کی راہوں سے گزرتی ہوئی امت کے خلاف کھڑی ہوئی۔ 4- ان تحریکوں نے امت کے امن و اتحاد کو نقصان پہنچایا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو محفوظ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برکت سے امت پھر بھی دین کی اصل پر قائم رہی۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، مطبوعہ دار طوق النجاة، بیروت، ج 8، ص 158۔ 3- صحیح مسلم، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج 2، ص 744، حدیث: 1066۔ 4- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، مطبوعہ دار التراث، قاہرہ، ج 4، ص 340۔ 5- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 278۔ 6- الفتاویٰ الہندیہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ج 2، ص 259۔ 7- العقیدۃ الطحاویۃ مع شرحہ، مطبوعہ دار السلام، ریاض، ص 89۔ 8- حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، فتح الملہم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 3، ص 412۔

فتنہ کی ابتدا اور اس کا بانی

اسلام کی ابتدائی صدی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بابرکت وجود نے امت کو اتحاد، اخوت اور ہدایت کا عظیم سرمایہ عطا فرمایا۔ ان کے دلوں میں تقویٰ و اخلاص کی روشنی اور ایمان کی حرارت تھی، مگر دشمنانِ اسلام اس نورانی اجتماعیت کو برداشت نہ کر سکے۔ یہود و نصاریٰ نے اسلام کے فروغ کو اپنی بقا کے لیے خطرہ سمجھا، لہذا انہوں نے اندرونی سازشوں کا جال بچھایا۔ انہی سازشوں کا سب سے بڑا چہرہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا، جس نے سبائیت کے نام سے ایک گمراہ کن تحریک کی بنیاد ڈالی اور صحابہ کرام کے درمیان اختلاف و فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی۔

عبداللہ بن سبا: ایک تعارف: عبداللہ بن سبا اصلاً یہودی تھا، جو یمن کے شہر صنعاء یا بعض روایات کے مطابق حمیر قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہودیت کے عقائد و رسوم میں پلا بڑھا، اور بعد میں بظاہر اسلام قبول کیا لیکن دل سے ہمیشہ اسلام دشمنی میں ڈٹا رہا۔ اس نے اپنی اصل ذہنیت کو چھپاتے ہوئے اسلامی معاشرہ کے اندر سے فتنہ برپا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ امام ابن کثیرؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **وَهُوَ الَّذِي أَظْهَرَ الْإِسْلَامَ، وَأَضْمَرَ الْكُفْرَ، وَسَعَى فِي الْفِتْنَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ** (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 183)۔ یہی وہ شخص تھا جس نے اسلام ظاہر کیا مگر کفر چھپائے رکھا اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ ڈالنے کی کوشش کرتا رہا۔

فتنہ انگیزی کی حکمت عملی: ابن سبائے اپنے ناپاک مقاصد کے لیے کئی راستے اختیار کیے: 1- صحابہ کے درمیان اختلاف ڈالنا: اس نے بعض صحابہ کرام کے مناقب کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور دوسرے صحابہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی، تاکہ امت کے اعتماد کو متزلزل کرے۔ 2- سیاسی پس منظر کا ناجائز استعمال: خلافت راشدہ کے نظام پر اعتراضات اٹھائے، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا حقیقی حقدار قرار دے کر دوسرے خلفاء کے خلاف سازش کی۔ یہ عقیدہ بعد میں سبائیت اور پھر رافضیت کی بنیاد بنا۔ 3- غلو اور بدعت کا بیج بونا: عبداللہ بن سبائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کے نظریات پیدا کیے، حتیٰ کہ الوہیت کی جھوٹی نسبت کی بھی جسارت کی۔ جب اس کا یہ عقیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا تو آپ نے نہایت سختی سے اس کا رد فرمایا اور فرمایا: لعن اللہ من قال فینا ما لا نقول فی أنفسنا (تاریخ الطبری، ج 4، ص 340)۔ اللہ کی لعنت ہو اس پر جو ہمارے بارے میں وہ بات کہے جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے۔

فتنہ کی ابتدا: عبداللہ بن سبائے مختلف شہروں کو فہ، بصرہ اور مصر میں اپنے ایجنٹ پھیلائے، جو لوگوں کو خلفاء کے خلاف بھڑکاتے اور ان کے دلوں میں شکوک ڈالتے۔ اس نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ امت کا اصل امام صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور باقی خلفاء نے خلافت پر قبضہ کیا ہے۔ یہی زہر آلود افکار آگے چل کر جنگ جمل وصفین کے فتنوں میں بنیادی کردار ادا کرنے لگے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: أصل الرافضة من مقالة ابن سبأ المنافي (منہاج السنۃ النبویہ، ج 1، ص 13)۔ رافضیت

کی اصل عبداللہ بن سبا منافق کی گمراہ کن رائے سے شروع ہوئی۔

صحابہ کرام کا موقف: یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ان سازشوں اور فتنے کا اصل ذمہ دار کوئی صحابی نہیں تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین باہم اختلاف کے باوجود ایمان، اخلاص اور عدل و تقویٰ پر قائم رہے۔ ان کے درمیان جو حادثات پیش آئے وہ سب سیاسی و انتظامی پس منظر رکھتے تھے، اور ان میں منافقین و سبائی تحریک کی ریشہ دوانیاں شامل تھیں۔ امام طحاویؒ نے عقیدہ بیان فرمایا: ونحب أصحاب رسول الله ﷺ ولا نفرط في حب أحد منهم ولا نتبرأ من أحد منهم (العقيدة الطحاوية، ص 533)۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں، نہ کسی سے غلو کرتے ہیں نہ کسی سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔

خلاصہ و نتائج: 1- عبداللہ بن سبا ایک یہودی منافق تھا جس نے اسلام میں داخل ہو کر فتنہ انگیزی کی بنیاد رکھی۔ 2- اس نے سبائیت کے نام سے ایک باطنی تحریک پیدا کی جس نے رافضیت کی شکل اختیار کی۔ 3- اس کی حکمت عملی صحابہ کے مقام کو مشکوک بنانا اور امت کے اتحاد کو توڑنا تھی۔ 4- صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم ہر طرح کی سازشوں سے بالاتر ہو کر دین کی خدمت اور شریعت کی حفاظت میں مصروف رہے۔ 5- امت پر لازم ہے کہ صحابہ کے بارے میں زبان و قلم سے ادب و محبت کا رویہ رکھے اور دشمنان اسلام کے پروپیگنڈے سے خود کو محفوظ رکھے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، مطبوعہ دار طوق النجاة، بیروت، ج 8، ص 158۔ 3- صحیح مسلم، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج 2،

- ص 744-4- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، مطبوعہ دار التراث، قاہرہ، ج 4،
 ص 340-5- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ج 7، ص
 183-6- منہاج السنۃ النبویۃ، ابن تیمیہ، مطبوعہ جامعۃ الامام محمد بن سعود، ریاض، ج
 1، ص 13-7- العقیدۃ الطحاویۃ مع شرحہ، مطبوعہ دار السلام، ریاض، ص 533-
 8- الفتاویٰ الہندیۃ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ج 2، ص 259-

عبداللہ بن سبا کا تعارف اور یہودی پس منظر

اسلامی تاریخ کے ان نازک ابواب میں جہاں امت کے اتحاد اور خلافتِ راشدہ کی برکات کا ذکر ہے، وہاں بعض خارجی و منافقانہ تحریکوں کا ذکر بھی آتا ہے، جنہوں نے امت کے درمیان فتنہ و انتشار کی آگ بھڑکائی۔ ان فتنوں کا سب سے بڑا چہرہ عبداللہ بن سبا ہے، جس کا کردار تاریخِ اسلام میں ایک خبیث فتنہ پرور اور سازشی کے طور پر محفوظ ہے۔

یہودی النسل ہونا: عبداللہ بن سبا یہودی تھا، اصل وطن یمن اور قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے والدین یہودیت پر قائم تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ شخص ابتدائی طور پر یہودیت کا ایک عالم و مبلغ تھا، جس نے اسلام قبول کرنے کا ڈھونگ رچایا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس کے دل میں یہودیت کا زہر اور اسلام دشمنی کی آگ باقی رہی۔ وہ ہمیشہ اسلام کی جڑ کاٹنے اور امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے

کی فکر میں رہا۔

اس کا مقصد: یہ شخص دراصل وہی کردار ادا کر رہا تھا، جو یہود ہمیشہ سے اہل ایمان کے خلاف انجام دیتے رہے ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا: **وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ** (البقرة: 109)۔ یعنی اہل کتاب کی ایک بڑی تعداد یہ چاہتی ہے کہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کفر کی طرف پھیر دے، اس حسد کی وجہ سے جو ان کے دلوں میں ہے۔ عبد اللہ بن سبا اسی یہودی مزاج اور حسد کی عملی تصویر تھا۔ وہ اسلام کا بظاہر خادم بنا، مگر در پردہ امت میں اختلاف و فتنہ ڈالنے والا سب سے بڑا دشمن نکلا۔

اس کی سازشیں: 1- اس نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا لبادہ اوڑھ کر اپنی گمراہیوں کو پھیلایا۔ 2- اس نے عقیدہ رجعت، الوہیت علی، اور امامت منصوصہ جیسے عقائد گھڑ کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ 3- اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کیا اور لوگوں کو بھڑکایا، حتیٰ کہ شہادت عثمان کے موقع پر اس کے اثرات صاف دکھائی دیتے ہیں۔ 4- اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کے مابین اختلافات کو بھڑکانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

مآخذ میں اس کا ذکر: ائمہ تاریخ اور محدثین نے اس فتنان شخص کا ذکر کیا ہے۔ علامہ طبری، ابن عساکر، ابن حزم، ابن کثیر، اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ نے اس

کے یہودی پس منظر اور اسلام دشمن سازشوں کو نقل کیا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے واضح فرمایا کہ رافضیت اور شیعیت کی جڑیں اسی یہودی فتنہ پرور کے پیدا کردہ باطل افکار سے جاملتی ہیں۔

خلاصہ و نتائج: عبد اللہ بن سبا ایک خبیث فتنہ پرداز تھا، جس نے یہودیت سے اسلام میں آ کر اپنی سازشوں کا آغاز کیا۔ اس کا اصل مقصد امت کا اتحاد توڑنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کو نشانہ بنانا تھا۔ اس کی تحریک نے بعد کے زمانوں میں سبایت، رافضیت اور خارجیت کی شکل اختیار کی، جس نے امت کو کئی صدیوں تک انتشار کا شکار رکھا۔ یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ یہ فتنہ محض سیاسی نہیں بلکہ خارجی اور یہودی سازش کا شاخسانہ تھا۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم، سورة البقرة، آیت: 109-2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، مطبع دار طوق النجاة، بیروت، ج 8، ص 92-3- تاریخ الطبری، ابن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 340-4- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 167-5- المملک والنحل، ابو الفتح الشہرستانی، دار المعرفہ، بیروت، ج 1، ص 174-6- الفصل فی المملک والاهواء والنحل، ابن حزم الاندلسی، دار الجلیل، بیروت، ج 4، ص 182-7- منہاج السنۃ النبویۃ، ابن تیمیہ، مطبع جامعہ امام محمد بن سعود، ریاض، ج 1، ص 35-8- لسان المیزان، حافظ ابن حجر عسقلانی، دار الفکر، بیروت، ج 3، ص 289-

سبائیت کا نظریہ: وصایت والوہیت علی کا دعویٰ

اسلامی تاریخ میں بعض ایسے باطل افکار و نظریات نے جنم لیا جن کا مقصد امت مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنا تھا۔ انہی نظریات میں سبائیت ایک خطرناک فکری لہر تھی، جس کی بنیاد عبد اللہ بن سبا نے رکھی۔ اس نے اپنے باطل نظریات کے ذریعے امت میں فتنہ و فساد پیدا کیا اور بعض سادہ لوح افراد کو گمراہ کیا۔

وصایت علی کا دعویٰ: عبد اللہ بن سبا نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد خلافت اور قیادت کا منصب صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت کیا گیا تھا۔ اس نے یہ گمراہ کن عقیدہ پھیلا یا کہ گویا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اور باقی خلفاء (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ) نے یہ حق ناحق طور پر لے لیا۔ یہ دعویٰ سراسر باطل اور تاریخ و سنت کے خلاف تھا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں کسی ایک شخص کو وصی یا جانشین قرار نہیں دیا۔ خلفائے ثلاثہ کا انتخاب امت کی اجتماعی رائے، مشورہ اور اجماع کے ذریعے ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود ان خلفاء کے دور میں بیعت کی، ان کے مشیر بنے اور ان کے ساتھ جہاد میں شریک رہے۔ یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ وصایت کا نظریہ محض جھوٹا فتنہ تھا۔

الوہیت علی کا دعویٰ: سبائیت کی گمراہی یہاں تک پہنچی کہ عبد اللہ بن سبا اور

اس کے پیروکاروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے مقام تک بلند کرنے کی کوشش کی۔ ان کا کہنا تھا کہ حضرت علیؑ کے اندر الوہیت کا نور موجود ہے اور وہ خدائی صفات کے حامل ہیں (نعوذ باللہ)۔ یہ دعویٰ صرف اسلام کے بنیادی عقیدہ تو حید کی نفی نہیں بلکہ شرک کی بدترین شکل تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود ایسے غالیوں کے خلاف شدید موقف اختیار کیا اور ان پر حد قائم کی۔ امام ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت علیؑ کو یہ خبر ملی کہ کچھ لوگ آپ کو خدا مانتے ہیں تو آپ نے ان کو عبرت ناک سزا دی اور اعلان فرمایا: میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں۔

سبائیت کے اثرات: یہ گمراہ عقائد بعد میں رافضیت کی بنیاد بنے۔ وصایت علی کے دعوے نے شیعہ فکر کو جنم دیا اور الوہیت علی کے عقیدے نے غلو پرست گروہوں کو جنم دیا۔ یوں عبداللہ بن سبا کے یہ افکار امت میں ہمیشہ کے لیے انتشار اور فتنہ کی جڑ بن گئے۔

خلاصہ و نتائج: سبائیت کا نظریہ وصایت علی اور الوہیت علی جیسے عقائد پر قائم تھا، جو سراسر باطل، غیر اسلامی اور اسلام دشمنی کی پیداوار تھے۔ وصایت کا دعویٰ تاریخی شواہد اور صحابہ کرام کے اجماعی عمل سے باطل ثابت ہوتا ہے۔ الوہیت علی کا عقیدہ عقیدہ تو حید کے خلاف اور شرک کی بدترین شکل تھا، جسے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسترد کیا۔ سبائیت کے یہی نظریات بعد میں رافضیت اور دیگر گمراہ فرقوں کی بنیاد بنے، جنہوں نے امت کو صدیوں تک تقسیم اور کمزور کیا۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم، سورة البقرة، آیت: 256؛ سورة

الاخلاص۔ 2- صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابة، مطبع دار طوق النجاة، بیروت، ج 5، ص 5-3- تاریخ الطبری، ابن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 340-4- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 167-5- الملل والنحل، ابوالفتح الشهرستانی، دار المعرفۃ، بیروت، ج 1، ص 175-6- الفصل فی الملل والاهواء والنحل، ابن حزم الاندلسی، دار الجلیل، بیروت، ج 4، ص 182-7- منهاج السنۃ النبویۃ، ابن تیمیہ، جامعۃ امام محمد بن سعود، ریاض، ج 1، ص 35-8- الفرق بین الفرق، عبدالقادر البغدادی، مطبع دار المعرفۃ، بیروت، ج 1، ص 21-9- مقالات الاسلامیین، ابوالحسن الاشعری، مطبع دار الکتب، قاہرہ، ج 1، ص 15-

فتنہ کوہِ وادینے والے عناصر: منافقین، یہودی اور خارجی

اسلامی تاریخ میں فتنہ و انتشار کی جو آندھیاں چلیں اور جنہوں نے امتِ مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کو مجروح کیا، ان میں سب سے نمایاں کردار اُن باطل عناصر کا رہا جو اندرونی و بیرونی سازشوں کے ذریعے امت کے قلب و دماغ کو زہر آلود کرنے میں لگے رہے۔ بالخصوص جنگِ جمل و صفین جیسے سانحات میں منافقین، یہودی اور خارجی عناصر کا ہاتھ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ان گروہوں نے اپنے اپنے طریقے سے اس آگ کو بھڑکایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے درمیان غلط فہمیوں اور تنازعات کو بڑھانے میں ایندھن کا کام کیا۔

1- منافقین کا کردار: منافقین کا ظہور مدینہ منورہ ہی میں ہو گیا تھا۔ قرآن کریم نے ان کے نفاق کو بے نقاب کیا اور ان کے باطنی خبث کو ظاہر کیا۔ غزوہ احد اور غزوہ خندق سمیت مختلف مواقع پر ان کی سازشیں کھل کر سامنے آئیں۔ منافقین کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی معاشرہ داخلی کمزوریوں کا شکار ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جب اسلامی فتوحات وسیع ہوئیں اور خلافت مضبوط ہوئی، تو منافقین کو اپنی شکست یقینی نظر آنے لگی۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو بڑھانے اور خلافت کے خلاف بغاوت پر اکسانے میں اہم کردار ادا کیا۔ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے پس منظر میں منافقین کی چالیں اور افواہیں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہیں، جن کے ذریعے عوام کو بہکایا گیا۔

2- یہودی سازشیں: یہودی ہمیشہ سے اسلام دشمنی میں پیش پیش رہے ہیں۔ قرآن کریم نے ان کے حسد اور عناد کو بار بار ذکر کیا ہے۔ اسلامی فتوحات کے نتیجے میں یہودیوں کی سیاسی و معاشی طاقت کو شدید نقصان پہنچا۔ اس دور میں عبداللہ بن سبا نامی یہودی نے اسلام قبول کرنے کا ڈھونگ رچایا اور مسلمانوں میں فتنہ انگیزی کی۔ اس نے وصایت و الوہیت علی کے جھوٹے نظریات پیش کیے اور خلافتِ عثمانی کے خلاف پروپیگنڈا کیا۔ ابن سبا اور اس کے پیروکاروں نے شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے پس منظر کو مزید پیچیدہ بنا کر امت میں افتراق پیدا کیا۔ یوں یہودیوں نے اپنی دیرینہ دشمنی کے تحت مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی سازش کامیابی سے آگے بڑھائی۔

3- خوارج کا کردار: خوارج کا ظہور جنگِ صفین کے موقع پر ہوا۔ ان کی

فکری بنیاد ہی خروج اور سرکشی تھی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح و مذاکرات (تحکیم) کو کفر قرار دیا۔ ان کا نعرہ تھا: لا حکم الا للہ لیکن درحقیقت وہ اس نعرے کے باطن میں اپنی ذاتی تاویلات اور بغاوت چھپائے ہوئے تھے۔ خوارج نے صحابہ کرامؓ کے فیصلوں پر اعتراض کیا اور امت کو مزید انتشار میں مبتلا کیا۔ ان کا کردار محض فکری اختلاف نہیں بلکہ عملی بغاوت اور قتل و خونریزی پر مبنی تھا، جو بعد میں امت کے لیے ایک مسلسل دردِ سر بن گیا۔

خلاصہ و نتائج: جنگ جمل و صفین کے پس منظر میں صحابہ کرامؓ کا مقصد دین کی خدمت اور امت کی اصلاح تھی، لیکن منافقین، یہودی اور خوارج نے اپنی سازشوں کے ذریعے حالات کو بگاڑا۔ منافقین نے مسلمانوں کے باہمی اعتماد کو مجروح کیا، یہودیوں نے اپنی دیرینہ دشمنی کے تحت فتنہ پھیلایا، اور خوارج نے اپنے انتہا پسندانہ نظریات کے ذریعے اختلافات کو خانہ جنگی میں بدلا۔ یہ حقیقت تاریخ اور آثارِ سلف سے ثابت ہے کہ اصل فتنہ ان باطل عناصر کی سازشوں کا نتیجہ تھا، نہ کہ صحابہ کرامؓ کے کسی عیب یا کمی کا۔ اس لیے اہل سنت والجماعت کا موقف یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل و محترم ہیں، اور اختلافات میں فتنہ انگیز عناصر کا بنیادی ہاتھ رہا ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم، سورۃ المنافقون، آیت: 4-1؛ سورۃ البقرۃ، آیت: 109-2- صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد، دار طوق النجاة، بیروت، ج 4، ص 20-3- تاریخ الطبری، ابن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج

- 4، ص 340-4- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 185-
 5- الملل والنحل، ابو الفتح الشہرستانی، دار المعرفۃ، بیروت، ج 1، ص 175-6- الفصل
 فی الملل والاہواء والنحل، ابن حزم الاندلسی، دار الجلیل، بیروت، ج 4، ص 187-
 7- منہاج السنۃ النبویۃ، ابن تیمیہ، جامعۃ امام محمد بن سعود، ریاض، ج 2، ص 20-
 8- الفرق بین الفرق، عبد القاہر البغدادی، مطبع دار المعرفۃ، بیروت، ج 1، ص 36-
 9- مقالات الاسلامیین، ابوالحسن الاشعری، مطبع دار الکتب، قاہرہ، ج 1، ص 25-

شہادتِ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور اس کے اثرات

اسلامی تاریخ میں بعض واقعات ایسے ہیں جو امت کے لیے کرب و الم اور آزمائش کا سنگین باب بنے۔ ان میں سب سے اہم اور المناک واقعہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے۔ آپ نہ صرف خلیفہ ثالث، بلکہ جامع القرآن، ذو النورین، داماد رسول ﷺ اور عشرہ مبشرہ میں شامل جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ کی شہادت نے امت کے اتحاد کو شدید متاثر کیا اور ایک عظیم فتنے کا دروازہ کھول دیا، جس کے اثرات بعد کے سیاسی و اجتماعی حالات پر دور رس ثابت ہوئے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اجمالی جائزہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تقریباً بارہ برس پر محیط ہے۔ پہلے چھ برس میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع تر

ہوا، بحری بیڑے کی بنیاد رکھی گئی، ایران اور روم کی سلطنتوں پر عظیم الشان فتوحات حاصل کی گئیں، اور امت کو مالی و عسکری طور پر بے مثال قوت نصیب ہوئی۔ آپ کے دور کے دوسرے نصف میں اندرونی سازشوں اور خارجی عناصر کی وجہ سے فتنے نے سر اٹھایا۔

شہادت کے اسباب اور پس منظر: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے پیچھے کئی عناصر کار فرما تھے: 1- منافقین کی سازشیں: عبداللہ بن سبا جیسے فتنہ پرداز یہودی نے مسلمانوں کے اندرونی معاملات میں رخنہ اندازی کی، اور بعض نادان افراد کو خلافت کے خلاف ابھارا۔ 2- سیاسی پروپیگنڈا: مختلف علاقوں میں کچھ لوگوں نے گورنروں کے خلاف شکایات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور عوام کو بھڑکایا۔ 3- اجتماعی غلط فہمیاں: جب یہ شکایات مدینہ منورہ لائی گئیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑی فراخ دلی اور حلم کے ساتھ ان کا جواب دیا۔ مگر فتنہ پردازوں نے اصل حقائق کو توڑ مروڑ کر پھیلایا۔ 4- فتنہ انگیز عناصر کا مدینہ میں اجتماع: مختلف علاقوں سے باغی گروہ مدینہ پہنچے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بار بار آپ کو مدافعت اور قتال کی اجازت چاہی، لیکن آپ نے فرمایا: میں خون بہا کر رسول اللہ ﷺ کی امت میں پہلا دروازہ نہیں کھولنا چاہتا (تاریخ طبری، ج 4، ص 404)۔

شہادت کا سانحہ: ذوالحجہ 35 ہجری میں یہ سانحہ پیش آیا۔ فتنہ پرور گروہ نے آپ کے مکان پر یورش کی اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت مظلومانہ انداز میں آپ کو شہید کیا۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک خلیفہ راشد کو امت کے اندر

ہی قتل کیا گیا۔

شہادت کے اثرات: 1- امت کا اضطراب: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت نے امت کے دل و دماغ پر گہرا زخم لگایا۔ ہر صحابی اس حادثہ کو اپنی ذاتی مصیبت سمجھتا تھا۔ 2- انتقام اور قصاص کا مطالبہ: شہادت کے بعد اہل مدینہ سمیت امت کے مختلف طبقات میں مطالبہ اٹھا کہ قاتلوں کو سزا دی جائے۔ مگر حالات کی نزاکت اور فتنہ گروں کے پھیلاؤ نے فوری اقدام کو دشوار بنایا۔ 3- سیاسی انتشار: قاتلوں کی گرفتاری میں تاخیر نے اختلاف کو مزید بڑھایا۔ ایک گروہ فوری قصاص کا حامی تھا، جبکہ دوسرا گروہ حالات کی پیچیدگی کی وجہ سے مناسب وقت کا انتظار ضروری سمجھتا تھا۔ 4- جنگِ جمل و صفین کی راہ ہموار ہوئی: شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ ہی وہ بنیادی سانحہ تھا جس نے بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز پر امت کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ یہی اختلاف جنگِ جمل اور صفین کے پس منظر کا حقیقی محرک بنا۔

خلاصہ و نتائج: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اسلام کی تاریخ کا عظیم ترین سانحہ ہے جس کے اثرات دور رس ثابت ہوئے۔ آپ نے اپنی جان قربان کر دی مگر امت کے اندر خونریزی اور داخلی جنگ کا دروازہ کھولنے کی اجازت نہ دی۔ یہ شہادت محض سیاسی یا انتظامی معاملہ نہیں تھی، بلکہ بیرونی سازشوں، منافقین کی فتنہ انگیزی، اور بعض نادان افراد کی بے بصیرتی کا نتیجہ تھی۔ اصل فتنہ منافقین اور خارجی عناصر نے بھڑکایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیت و ارادہ اصلاحِ امت ہی رہا۔ اس واقعہ نے بعد کے سیاسی

واقعات کو براہ راست متاثر کیا اور جنگ جمل و صفین کے پس منظر کی بنیاد رکھی۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم، سورة الاحزاب، آیت: 61-60؛ سورة المنافقون، آیت: 4-1-2- صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، دار طوق النجاة، بیروت، ج 7، ص 46-3- صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج 4، ص 1864-4- تاریخ الطبری، ابن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 340-404-5- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 210-183-6- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البر القرطبی، دار الجلیل، بیروت، ج 3، ص 1027-7- الکامل فی التاریخ، ابن اثیر الجزری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 3، ص 56-8- الاعتصام، امام شاطبی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 1، ص 57-9- توضیح الکلام علی عقیدہ اہل الاسلام، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مطبع امدادیہ دہلی، ص 212-10- خلافت و ملوکیت، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارۃ المعارف، لاہور، ص 61۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی اصلاحی اقدامات

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثالث، جلیل القدر صحابی اور داماد رسول ﷺ ہیں، جنہیں امت مسلمہ نے اپنی خوشنودی اور اتفاق رائے سے خلافت

کے منصب پر فائز کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ایک نئے دور کی بشارت تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت میں ایک شوریٰ تشکیل دی، جس نے باہمی مشاورت اور امت کے اجماعی رجحان کی روشنی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ یہ فیصلہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی شخصیت اہل شوریٰ اور امت کی نگاہوں میں عظمت و تقویٰ کی پیکر تھی۔ آپ کی خلافت کے ابتدائی دور کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اصلاً اصلاحات، فتوحات کی وسعت، اور انتظامی نظم و نسق کے استحکام کا دور تھا۔ امت کو امن، خوشحالی اور عدل و انصاف کی برکتیں نصیب ہوئیں۔

اصلاحی اقدامات: 1- قرآن کریم کی جمع و تدوین کی تکمیل: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے عظیم خدمت جمع قرآن ہے۔ آپ نے مختلف لہجوں اور قراءتوں کی بنا پر ممکنہ اختلاف کو دور کرنے کے لیے قرآن مجید کو ایک مصحف واحد کی شکل میں مرتب کروایا اور اسے مختلف علاقوں میں بھیج دیا۔ یہ اقدام امت کو ہمیشہ کے لیے قرآنی وحدت پر جمع رکھنے کا ذریعہ بنا۔ چنانچہ امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عثمان کا یہ کارنامہ مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے قرآن کو ایک مصحف پر جمع کیا (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن)۔ 2- فتوحات اور اسلامی سرحدوں کی توسیع: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں اسلامی لشکر مشرق و مغرب میں کامیابی کے جھنڈے گاڑتے رہے۔ آرمینیا، آذربائیجان، طبرستان، خراسان، افریقی ممالک اور قبرص کی فتوحات انہی دنوں میں ہوئیں۔ آپ نے بحری جنگ کی اجازت دی جس کے

نتیجے میں اسلامی سلطنت نے سمندری طاقت بھی حاصل کر لی۔ یہ سب آپ کی بصیرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے شوق کی دلیل ہے۔ 3- انتظامی اصلاحات اور گورنروں کی نگرانی: آپ نے خلافت کے نظام کو مستحکم کرنے کے لیے صوبوں اور شہروں میں قابل، متقی اور دیانتدار گورنر مقرر فرمائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام پر برقرار رکھا، حضرت عبداللہ بن عامر کو بصرہ اور حضرت عبداللہ بن سعد کو مصر میں گورنر بنایا۔ ان تمام حضرات نے اپنے اپنے علاقے میں نہ صرف عدل و انصاف قائم کیا بلکہ فتوحات کے دروازے بھی کھولے۔ 4- بیت المال اور رعایا کی خوشحالی: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے نظم و ضبط کو مزید بہتر کیا۔ آپ کی خلافت میں مسلمانوں کو کثرت مال و زر حاصل ہوا، حتیٰ کہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کے لیے مستحق تلاش کرتے تھے۔ عوامی خوشحالی اور معاشی ترقی آپ کی اصلاحات کا نمایاں پہلو ہے۔ 5- مساجد اور رفاہی تعمیرات: آپ نے مساجد کی تعمیر اور توسیع پر خاص توجہ دی۔ مسجد نبوی ﷺ کی توسیع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ ہے۔ اسی طرح مختلف شہروں میں مساجد کی تعمیر اور رفاہی منصوبے آپ کے دور میں کثرت سے انجام پائے۔

خلاصہ و نتائج: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور کو اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ دراصل اسلام کی شان و شوکت اور ملت کی وحدت کا زمانہ تھا۔ قرآن کی تدوین، فتوحات کی وسعت، انتظامی اصلاحات اور رعایا کی خوشحالی جیسے اقدامات نے اسلام کو ایک عالمی قوت بنا دیا۔ ان اصلاحات کی بنیاد پر ہی

آگے چل کر امت نے اپنی علمی، تمدنی اور سیاسی برتری قائم کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمات رہتی دنیا تک امت پر احسان ہیں۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، مطبع: دار ابن کثیر، بیروت، 2002، ج 6، ص 227-3- صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، مطبع: دار احیاء التراث العربی، بیروت، 2001، ج 7، ص 120-4- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، مطبع: دار التراث، قاہرہ، 1967، ج 4، ص 215-210-5- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، مطبع: دار الفکر، بیروت، 1998، ج 7، ص 160-150-6- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البر، مطبع: دار الجلیل، بیروت، 1992، ج 3، ص 75-7- الفاروق، شبلی نعمانی، مطبع: دار المعارف، لاہور، 2010، ص 302-8- خلافت و ملوکیت، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مطبع: ادارہ معارف اسلامی، لاہور، 2008، ص 92-85۔

باغیوں کی سازشیں اور مدینہ پر چڑھائی

خلافتِ عثمانی کا ابتدائی دور اصلاحات، فتوحات اور امت کی خوشحالی کا سنہرا دور تھا۔ لیکن جیسے جیسے اسلامی سلطنت وسعت پذیر ہوتی گئی، ویسے ہی فتنہ پرداز عناصر نے اپنے عزائم کو بروئے کار لانا شروع کیا۔ وہ خارجی عناصر، جو کبھی یہودی سازشوں کی شکل میں، کبھی منافقین کے روپ میں اور کبھی قبائلی عصبيت کی صورت میں ظاہر

ہوئے، امت کی وحدت کے خلاف سرگرم ہو گئے۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی عدل و شفقت پر مبنی حکمرانی کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے منصوبہ بندی کی اور بالآخر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہو کر تاریخ اسلام کے ایک المیہ باب کی بنیاد رکھی۔

فتنہ کے اسباب اور پس منظر: باغیوں کی سازشوں کے پیچھے متعدد محرکات تھے: 1- یہودی و منافقانہ ذہنیت کا عمل دخل: عبد اللہ بن سبا نامی یہودی منافق نے اسلام کے خلاف اندرونی فتنہ انگیزی کی۔ اس نے بظاہر اسلام قبول کیا مگر حقیقت میں وہ دین کو نقصان پہنچانے کے درپے رہا۔ ابن سبا اور اس کے پیروکاروں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلائیں اور مختلف علاقوں میں لوگوں کو بہکایا (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 167)۔ 2- قبائلی عصبیت اور سیاسی حسد: کچھ قبائل نے یہ گوارا نہ کیا کہ خلافت بار بار قریش خصوصاً بنو امیہ میں رہے۔ انہوں نے اپنے دلوں کے کینے اور عصبیت کو بغاوت کی شکل دی۔ 3- مال و دولت کی فراوانی اور دنیا طلبی: اسلامی فتوحات کے نتیجے میں بیت المال مال و زر سے بھر گیا۔ کچھ لوگوں کے دل دنیا کی رغبت میں سخت ہو گئے اور وہ دینی غیرت کے بجائے دنیاوی منافع کے پیچھے لگ گئے۔

سازشوں کا طریقہ کار: باغیوں نے ایک منظم منصوبہ بنایا: مختلف شہروں جیسے بصرہ، کوفہ اور مصر سے فتنہ پرور افراد کو تیار کیا۔ ان لوگوں نے مدینہ طیبہ کی طرف مارچ کیا، مگر اس سے پہلے مقامی عوام کو گمراہ کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جھوٹے الزامات گھڑتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان الزامات

کے جواب میں خطبے دیے، وضاحتیں فرمائیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کی برائت کی شہادت دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے باغیوں کو سمجھانے کی حتی الوسع کوشش کی، مگر وہ اپنے عزائم سے باز نہ آئے۔

مدینہ پر چڑھائی: آخر کار باغیوں نے 35 ہجری میں مختلف اطراف سے مدینہ طیبہ پر یلغار کی۔ 1- مصر سے آنے والے باغی: عبداللہ بن سبا کے تربیت یافتہ گروہ کی قیادت کنانہ بن بشر نے کی۔ 2- کوفہ سے آنے والے باغی: مالک اشتر نخعی کی سربراہی میں ایک جتھا مدینہ کی طرف بڑھا۔ 3- بصرہ سے آنے والے باغی: حکیم بن جبلة کی قیادت میں فتنہ پرور جمع ہوئے۔ یہ سب گروہ حج کے موسم میں نکلے، مگر مدینہ پہنچ کر اپنے اصل منصوبے پر عمل پیرا ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا صبر و حلم: جب باغیوں نے مدینہ کو گھیر لیا تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ موجود تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تلوار کے ذریعے مدینہ کا دفاع کیا جائے، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے مدینہ میں خون نہجے۔ میں وہ نہیں جس کے ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی امت کا پہلا خون بہے (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 195)۔ یہ آپ کے حلم، تقویٰ اور امت کے اتحاد کی حفاظت کا روشن ثبوت ہے۔

خلاصہ و نتائج: باغیوں کی سازش اور مدینہ پر چڑھائی اسلام کے ابتدائی فتنوں

میں سے ایک بڑا سانحہ ہے۔ اس فتنے کی جڑیں یہودی سازشوں، منافقانہ کردار، قبائلی عصبیت اور دنیا طلبی میں پیوست تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صبر، حلم اور عفو کے ساتھ اس فتنہ کا سامنا کیا اور مدینہ میں خون بہانے سے روک رکھا۔ یہ امت کے اتحاد و بقا کے لیے آپ کی عظیم قربانی تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سانحہ کی ذمہ داری صرف باغی عناصر پر عائد ہوتی ہے، نہ کہ کسی صحابی پر، کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس موقع پر خلیفہ ثالث کے وفادار اور خیر خواہ تھے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابہ، مطبع: دار ابن کثیر، بیروت، 2002، ج 7، ص 70-3- صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، مطبع: دار احیاء التراث العربی، بیروت، 2001، ج 8، ص 125-4- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، مطبع: دار التراث، قاہرہ، 1967، ج 4، ص 280-295-5- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، مطبع: دار الفکر، بیروت، 1998، ج 7، ص 200-165-6- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البر، مطبع: دار الجلیل، بیروت، 1992، ج 3، ص 85-7- طبقات ابن سعد، مطبع: دار صادر، بیروت، 1960، ج 3، ص 75-68-8- سیرت سیدنا عثمان، ڈاکٹر علی محمد الصلابی، مطبع: دار ابن کثیر، دمشق، 2001، ص 210-230۔

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے نتائج

اسلامی تاریخ کا ایک نہایت ہی رنج و غم اور الم ناک باب سیدنا عثمان بن

عُفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے۔ آپ وہ عظیم المرتبت صحابی رسول ﷺ ہیں جن کے داماد رسول ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی سخاوت، حیا، زہد اور تقویٰ کی مثالیں آج تک دی جاتی ہیں۔ لیکن تاریخ نے دیکھا کہ خارجی سازشوں، یہودی فتنوں اور منافقین کی مکاریوں نے مدینہ طیبہ جیسے پر امن مرکز کو اضطراب کا شکار کر دیا اور بالآخر وہ نوبت آئی کہ امت مسلمہ کے خلیفہ سوم کو گھر میں محصور کر کے شہید کر دیا گیا۔ یہ حادثہ نہ صرف اسلامی خلافت کے استحکام کو متاثر کرنے والا ثابت ہوا بلکہ امت میں پہلی بڑی داخلی کشمکش اور خانہ جنگی کا پیش خیمہ بھی بنا۔

شہادت کا پس منظر: فتنہ کی ابتدا عبداللہ بن سبا اور اس کے متبعین کی طرف سے ہوئی، جنہوں نے خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض انتظامی فیصلوں کو بہانہ بنا کر رعایا میں بغاوت اور بدگمانی پھیلائی۔ مختلف صوبوں سے باغیوں کو منظم طریقے سے مدینہ لایا گیا۔ ان کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ انتشار اور امت کو اپنے امام سے جدا کرنا تھا۔ سیدنا علی، سیدنا زبیر اور سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بار بار عوام کو سمجھایا کہ خلیفہ مظلوم ہیں، ان پر کوئی شرعی الزام ثابت نہیں۔ لیکن فتنہ پرور گروہ بھکنے پر تیار رہا۔

واقعہ شہادت: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو باغیوں نے تقریباً چالیس دن تک محصور رکھا۔ اس دوران پانی اور کھانے تک پر پابندی لگا دی گئی۔ باوجود اس ظلم کے آپ نے کبھی بھی اپنے منصب سے دستبرداری قبول نہ کی، بلکہ بار بار امت کو

قرآن اور سنت کی طرف بلایا۔ آخر کار بروز جمعہ 18 ذوالحجہ 35ھ کو جب آپ روزہ کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے تو باغیوں نے آپ کے گھر پر حملہ کیا اور نہایت بے دردی سے شہید کر دیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کے خون کے چھینٹے قرآن کی آیت پر پڑے: فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرہ: 137)۔ یعنی اللہ ان (فتنہ پروروں) سے آپ کو کافی ہوگا، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ شہادت محض ایک فرد کی جان لینا نہیں تھا، بلکہ خلافت راشدہ کے سنہرے دور کو ایک خونچکاں المیہ سے دوچار کرنا تھا۔

شہادت کے اثرات: 1- امت کا انتشار: آپ کی شہادت کے بعد امت کے اندر پہلی مرتبہ منظم اختلاف نے جنم لیا۔ خلیفہ وقت کے قتل نے مرکزیت کو کمزور کر دیا۔ 2- جنگِ جمل و صفین کا پس منظر: اسی شہادت کے نتیجے میں قصاصِ عثمان کا مسئلہ پیدا ہوا، جس نے صحابہ کرام کے درمیان اختلافِ رائے کو جنم دیا اور بعد میں جمل و صفین جیسے واقعات ہوئے۔ 3- منافقین کی کامیابی: یہود و نصاریٰ کی دیرینہ سازش یہی تھی کہ مسلمان آپس میں دست و گریباں ہوں۔ شہادتِ عثمان کے بعد یہ مقصد کسی حد تک حاصل ہو گیا۔ 4- خارجیت کی بنیاد: اس واقعے نے خارجی فکر کو قوت بخشی، جو آگے چل کر امت کے لیے مسلسل فتنہ کا باعث بنا۔ 5- فقہی و سیاسی مباحث کی ابتدا: امت نے خلافت، شوری، اطاعتِ امام، خروج اور قصاص جیسے مسائل پر غور کیا اور اس سے فقہ اسلامی کے کئی ابواب کی بنیاد پڑی۔

خلاصہ و نتائج: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اسلامی تاریخ کا نہایت ہی اندوہناک واقعہ ہے جس نے امت کے اتحاد کو شدید دھچکا پہنچایا۔ آپ نے ظلم سہہ لیا لیکن امت کے خون خرابے سے بچنے کے لیے تلوار نہ اٹھائی۔ یہ قربانی رہتی دنیا تک اس بات کا اعلان ہے کہ خلافت راشدہ کے خلفاء اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ دین کے لیے جیے اور شہید ہوئے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سانحے کے پیچھے صحابہ کرام نہیں بلکہ یہود، منافقین اور خارجی عناصر کارفرما تھے، لہذا صحابہ کی ذات پر کوئی الزام یا تنقیص روا نہیں۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم، سورة البقرہ: 137-2- صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب عثمان بن عفان، حدیث: 3695، مطبوعہ: دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، ج 3، ص 138-3- صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عثمان، حدیث: 2401، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج 4، ص 1871-4- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1408ھ، ج 7، ص 183-199-5- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1407ھ، ج 4، ص 377-400-6- الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار صادر، بیروت، 1399ھ، ج 3، ص 82-94-7- مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ملا علی قاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 11، ص 331-8- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، دارالاشاعت، کراچی، ج 9، ص 423۔

امت میں اضطراب اور قصاصِ عثمان کا مسئلہ

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت اسلامی تاریخ کا نہایت نازک موڑ ثابت ہوئی۔ اس عظیم سانحہ نے امتِ مسلمہ کے قلب و جگر کو مجروح کیا، دلوں میں زلزلہ برپا ہوا، اور معاشرہ سخت اضطراب و انتشار کا شکار ہوا۔ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ نہ صرف امت کی وحدت کے لئے کڑا امتحان تھی بلکہ یہی واقعہ بعد کے بڑے فتنوں کا پیش خیمہ بھی بنا۔ سب سے زیادہ نزاعی اور حساس مسئلہ جو امت کے سامنے آیا وہ قصاصِ عثمان کا مسئلہ تھا۔

اضطرابِ امت اور فتنہ کا پھیلاؤ: شہادت کے فوراً بعد مدینہ منورہ میں غم و اندوہ کی فضا چھا گئی۔ وہ شہر جس کی فضاؤں میں ذکرِ مصطفیٰ ﷺ گونجتا تھا، وہاں اب اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں کے قلوب اس حقیقت کو ماننے کو تیار نہ تھے کہ خلیفہ ثالث، دامادِ رسول ﷺ، جامع القرآن، مظلومانہ طور پر اپنے ہی گھر میں شہید کر دیے گئے۔ اہل مدینہ کی آنکھوں کے سامنے یہ سانحہ رونما ہوا، لیکن قاتل باغی مختلف قبائل اور خطوں سے تعلق رکھتے تھے جن کی شناخت مشکل تھی۔ یہی وہ نکتہ تھا جس نے امت کو تقسیم اور اضطراب میں مبتلا کر دیا۔

قصاصِ عثمان: امت کا سب سے نازک سوال: اسلامی شریعت میں خونِ ناحق کا بدلہ اور قصاص ایک واجب حکم ہے۔ قرآن کریم کا اعلان ہے: ”وَلَكُمْ فِي

الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ“ (البقرة: 179)۔ یعنی تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو! اس آیت کی روشنی میں امت کا ہر طبقہ اس بات پر متفق تھا کہ شہید مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا بدلہ لینا واجب ہے۔ لیکن عملی پہلو میں پیچیدگیاں تھیں: 1- قاتلین کی شناخت متعین نہ ہو سکی کیونکہ باغی مختلف علاقوں سے آئے تھے اور ہجوم میں گم ہو گئے۔ 2- قاتلین کے سرغنے، مثلاً عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں نے مدینہ میں اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں۔ 3- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت حالات اس قدر ہنگامہ خیز تھے کہ فوری طور پر قصاص لینا ممکن نہ تھا۔ 4- اگر فوراً اقدام کیا جاتا تو باغیوں کی بڑی جماعت کے ساتھ ایک نئی خانہ جنگی کھڑی ہو جاتی، جو مزید خونریزی کا باعث بنتی۔

اہل حق اور اہل خیر کا اختلاف: امت میں دو بڑے رجحانات پیدا ہوئے:

1- اہل عدل و تدبیر (سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے موافقین): ان کا موقف یہ تھا کہ سب سے پہلے حکومت کو مستحکم کیا جائے، انتظامی ڈھانچہ مضبوط کیا جائے، اور پھر باقاعدہ عدالتی نظام کے تحت قصاص نافذ کیا جائے۔

2- اہل قصاص فوری (ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور دیگر اکابر صحابہ): ان کا موقف یہ تھا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو تاخیر کے بغیر سزا دی جائے تاکہ فتنہ مزید نہ پھیلے اور خون شہید کا حق ادا ہو۔ یہ اختلاف اجتہادی تھا، کسی صحابی کی نیت میں خدا نخواستہ کوئی دنیاوی غرض شامل نہ تھی۔ دونوں

فریق شریعت کی پاسداری اور امت کی خیر خواہی کے خواہاں تھے۔

اضطراب کے اثرات: اسی اختلاف نے امت میں اضطراب کو مزید گہرا کیا۔ مدینہ سے کوفہ، بصرہ اور شام تک یہ مسئلہ زیر بحث رہا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جو شام کے گورنر تھے، انہوں نے بھی قصاصِ عثمان کے لیے آواز بلند کی۔ دوسری طرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ حالات کے پیش نظر تاخیر کو ضروری سمجھتے تھے۔ یہی وہ بنیاد تھی جس پر بعد میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین جیسے سانحات رونما ہوئے۔

خلاصہ و نتائج: شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امت شدید اضطراب اور بے چینی کا شکار ہو گئی۔ قصاصِ عثمان کا مسئلہ امت کا سب سے حساس اور نازک مسئلہ تھا۔ قاتلین کی شناخت اور ان کی کثرت نے فوری قصاص کو مشکل بنا دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تدبیر اور حکمت کے قائل تھے، جبکہ دیگر اکابر صحابہ فوری قصاص کے حامی تھے۔ دونوں فریقین کا مقصد امت کی اصلاح اور شریعت کی پاسداری تھا، لیکن اجتہادی اختلاف نے امت میں بڑا انتشار پیدا کر دیا۔ یہی اختلافات بعد کی خانہ جنگیوں کا بنیادی محرک بنے، جنہوں نے امت کو گہرے زخم دیے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، آیت 179-2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی اموراً تنکرونها، ج 8، ص 91، دار طوق النجاة۔ 3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء بپیعة الخلفاء، ج 6، ص 22، دار احیاء التراث العربی۔ 4- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج 4،

ص 340-390، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 5- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، ج 7، ص 183-250، دار ہجر، قاہرہ۔ 6- الفتن، نعیم بن حماد المروزی، ج 1، ص 165-200، مکتبہ المعارف، ریاض۔ 7- خلافت و ملوکیت، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، ص 65-90، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ 8- بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، ج 1، ص 220، مکتبہ اشرفیہ، لاہور۔

جنگِ جمل کا آغاز: اسلامی تاریخ کے اُن ابواب میں سے ایک باب جس پر سب سے زیادہ بحثیں اور سوالات اٹھے، وہ جنگِ جمل ہے۔ اس جنگ کا آغاز دراصل کسی ذاتی مفاد، دنیاوی لالچ یا اقتدار کی ہوس کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ اس کے پس منظر میں خلوصِ نیت، دین کی سربلندی اور قصاصِ مظلوم خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا غم کا رفرما تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کا اقدام اسی جذبہٴ اخلاص پر مبنی تھا۔ تاہم اس پاکیزہ نیت اور اصلاحی تحریک کو عبداللہ بن سبا اور اس کے ماننے والے باغیوں نے اپنی سازشوں سے بگاڑ دیا، اور وہ فتنہ ایک خونی معرکہ میں تبدیل ہو گیا۔

پس منظر: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت کا دل زخمی اور فضا غم و غصہ سے بھری ہوئی تھی۔ ہر صاحبِ ایمان کا مطالبہ یہی تھا کہ اس مظلوم خلیفہ کے قاتلوں کو عبرتناک سزا دی جائے۔ مگر حالات ایسے نہ تھے کہ فوری طور پر قاتلین کی نشاندہی اور ان پر حدود قائم ہو سکے۔ کیونکہ وہ سازشی گروہ پورے معاشرے میں پھیل چکا تھا اور اس کی

جڑیں مدینہ اور اطراف میں موجود قبائل تک جا پہنچی تھیں۔ اسی فضا میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، جنہیں امت کی ماں ہونے کے ناطے امت کے درد کا احساس سب سے بڑھ کر تھا، نے اہل بصرہ و کوفہ کے تعاون سے اصلاحی سفر کا آغاز کیا تاکہ امت کو بیدار کیا جائے اور قاتلین عثمان کے خلاف یکجہتی پیدا ہو۔ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بھی انہی مقاصد کے ساتھ شریک سفر ہوئے۔ ان حضرات کی نیت خالصتاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے قیام کے لیے تھی۔

سبائی سازش اور بگاڑ: اصل مقصد تو امت کو مجتمع کرنا اور خلیفہ وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر اصلاحی اقدامات میں تعاون کرنا تھا، مگر عبد اللہ بن سبا اور اس کے پیروکار باغیوں نے اس سفر کو اپنی شرانگیزیوں کے لیے موقع بنایا۔ جب بصرہ کے قریب دونوں لشکر امن و اصلاح کے لیے معاہدے پر متفق ہونے لگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت عائشہ، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم کے درمیان صلح کی فضا بننے لگی، تو باغیوں نے رات کے اندھیرے میں اچانک حملے کی سازش کی۔ اس خونی سازش نے امت کے دو بڑے گروہوں کو آمنے سامنے کر دیا، اور وہ تاریخی حادثہ رونما ہوا جسے جنگ جمل کہا جاتا ہے۔

جنگ کا آغاز: یہ جنگ دراصل سبائی فتنہ پرور گروہ کی سازش کا نتیجہ تھی، جس نے ایک طرف سے خلیفہ وقت کے لشکر پر اور دوسری طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ کے گرد پہرہ داروں پر حملہ کر کے دونوں گروہوں کو اشتعال دلایا۔

یوں وہ فتنہ جو صلح و امن کے ذریعہ ختم ہو سکتا تھا، اچانک جنگ میں بدل گیا۔

خلاصہ و نتائج: حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کا اقدام خلوص نیت پر مبنی تھا، جس کا مقصد امت کی اصلاح اور قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اصلاح اور اتحاد امت کے داعی تھے، مگر باغیوں نے دونوں مقدس جماعتوں کے درمیان تصادم پیدا کر دیا۔ جنگ جمل کسی صحابی کی دنیا پرستی یا اقتدار کی جنگ نہ تھی، بلکہ سبائی فتنہ کا پیدا کردہ حادثہ تھا۔ یہ واقعہ امت کے لیے ایک عظیم سبق ہے کہ دشمن ہمیشہ امت کی صفوں میں گھس کر اختلاف کو جنگ میں بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ: الفتنة من قبل المشرق، حدیث: 7096، مطبوعہ دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ۔ 3- صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب نزول الفتن، حدیث: 2889، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1415ھ۔ 4- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، جلد 4، ص 400-450، مطبوعہ دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 5- البدایة والنہایة، حافظ ابن کثیر، جلد 7، ص 230-280، مطبوعہ دار الکتب العلمیة، بیروت، 1410ھ۔ 6- الکامل فی التاریخ، ابن اثیر الجزیری، جلد 3، ص 206-240، مطبوعہ دار الکتب العلمیة، بیروت، 1407ھ۔ 7- الفتن، نعیم بن حماد، ص 153-160، مطبوعہ مکتب التوحید، ریاض، 1412ھ۔ 8- فتاویٰ شامی، علامہ ابن عابدین شامی، جلد 4، ص 254، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، 1421ھ۔ 9- تحقیقی مقالات، مفتی محمد تقی عثمانی، جلد 2، ص 177-190، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2005ء۔

بصرہ کا سفر، مقصد قصاص عثمان اور سبائیوں کی شرارت

اسلامی تاریخ کے ان ابواب میں سے ایک اہم اور نہایت نازک باب وہ ہے جو خلافتِ ثالثہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیش آیا۔ امتِ مسلمہ کے دلوں میں رنج و الم کی کیفیت طاری تھی اور ہر جانب اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اس موقع پر کچھ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کی خیر خواہی، عدل کے قیام اور خونِ عثمان کے قصاص کے لیے اپنے خلوص پر مبنی اقدامات کیے۔ لیکن افسوس کہ امت کے دشمن اور سازشی عناصر (سبائی فرقہ) نے اس خلوص کو بگاڑ کر ایک عظیم سانحے کو جنم دیا۔

بصرہ کا سفر: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے جب مدینہ منورہ میں امت کے اضطراب اور فتنہ پرور عناصر کی قوت کو دیکھا، تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مدینہ میں قیام کے بجائے بصرہ کا سفر اختیار کیا جائے۔ بصرہ اس وقت ایک اہم اسلامی مرکز تھا جہاں اہل ایمان کی بڑی تعداد موجود تھی، اور وہاں سے امت کی اصلاح اور اتحاد کے لیے مؤثر آواز بلند کی جاسکتی تھی۔ یہ سفر ہرگز اقتدار کی ہوس یا سیاسی تسلط کے لیے نہ تھا، بلکہ محض خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص اور امت کے انتشار کو ختم کرنے کے اخلاص پر مبنی تھا۔ سیرتِ صحابہ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ حضرات وہ عظیم نفوس تھیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کے لیے وقف کر دی تھیں، دنیاوی عزت و جاہ ان کا مقصد نہ تھا۔

مقصد: قصاص عثمان: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت امت مسلمہ پر گہرا زخم تھا۔ یہ ایک ایسا حادثہ تھا جس نے امت کی وحدت کو چکنا چور کر دیا۔ حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم نے اس بات کو سمجھا کہ اگر خون عثمان کا قصاص جلد نہ لیا گیا تو امت میں عدل و انصاف کا تصور مجروح ہوگا اور باغیوں کو مزید حوصلہ ملے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بصرہ کا سفر کیا گیا تاکہ وہاں سے عوام کو منظم کر کے ایک منصفانہ اور عادلانہ جدوجہد کی جائے۔

سبائیوں کی شرارت: ادھر دوسری طرف عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاء کی سرپرستی میں وہ عناصر سرگرم تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کی تھی۔ ان کی اصل غرض امت کو تقسیم کرنا اور اسلام کی بنیادوں کو ہلانا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ بصرہ جا کر امت کو ایک نقطے پر جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، تو ان کے لیے یہ ناقابل برداشت تھا۔ چنانچہ انہوں نے خفیہ سازشوں کے ذریعے اہل بصرہ کے درمیان اختلافات کو ہوا دی اور دونوں جانب کے گروہوں کو شک و شبہ میں ڈال دیا۔ یہی وہ شرارت تھی جس نے ایک پرامن اور اصلاحی جدوجہد کو تصادم میں بدل دیا۔ ورنہ نیت و مقصد خالصتاً قصاص عثمان اور امت کی اصلاح تھا۔

خلاصہ و نتائج: 1- بصرہ کا سفر حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے خلوص پر مبنی تھا، جس کا مقصد صرف قصاص عثمان اور امت میں عدل کا قیام تھا۔ 2- یہ سفر اقتدار یا دنیاوی مفاد کی خاطر نہ تھا بلکہ خیر خواہی امت اور دین کے تحفظ

کے لیے تھا۔ 3- سبائیوں کی فتنہ پرور سازشوں نے حالات کو بگاڑا اور دونوں فریق کے درمیان غلط فہمیوں کو بڑھایا۔ 4- اس واقعہ سے امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ دشمن ہمیشہ امت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے درپے رہتا ہے، اس لیے اتحاد اور بصیرت کے ساتھ ایسے عناصر کا مقابلہ کیا جانا چاہیے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، ج 8، ص 738۔ 3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج 6، ص 20۔ 4- الطبری، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1407ھ، ج 3، ص 450۔ 5- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ، ج 3، ص 210۔ 6- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف، الریاض، 1417ھ، ج 7، ص 240۔ 7- ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر، بیروت، ج 10، ص 108۔ 8- علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج 2، ص 342۔ 9- ڈاکٹر علی محمد الصلابی، سیرۃ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا، دار ابن کثیر، دمشق، 2005ء، ص 198۔

مقاصد اور غلط فہمیاں

اسلامی تاریخ میں جنگِ جمل ایک ایسا واقعہ ہے جس نے اہل ایمان کے قلوب کو زخمی کیا اور امت کی وحدت کو شدید متاثر کیا۔ اس جنگ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ نہ

تو اقتدار کی ہوس کا نتیجہ تھی، نہ کسی گروہ کی ذاتی مفاد کی لڑائی، بلکہ یہ سراسر فتنہ پرور سبائی عناصر کی پیدا کردہ غلط فہمیوں اور مکرو فریب کا شاخسانہ تھی۔ اہل علم اور سلف صالحین نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ اس جنگ میں شامل تمام جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقاصد پاکیزہ اور نیتیں خالص تھیں۔ ان کی کوشش عدل، قصاص اور امت کی اصلاح پر مبنی تھی۔ لیکن فتنہ پردازوں نے ان خالص نیتوں کو باہم ٹکرانے کا ذریعہ بنایا اور امت کو ایک آزمائش میں مبتلا کر دیا۔

مقاصد: عدل و قصاص کا قیام: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا مقصد خلافت اسلامی کو استحکام دینا اور شورش زدہ ماحول کو قابو میں لانا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ امت کو دوبارہ اتحاد و اتفاق کی لڑی میں پرویا جائے، اور باغیوں کو کفر کردار تک پہنچایا جائے۔ دوسری طرف حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کا مقصد یہ تھا کہ شہید مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص جلد از جلد لیا جائے تاکہ فتنہ کی جڑ کاٹ دی جائے اور دین اسلام کا وقار بحال ہو۔ ان کے نزدیک قصاص میں تاخیر امت کے مزید بگاڑ کا باعث بن رہی تھی۔ دونوں فریقوں کا مقصد اسلامی اصولوں کا قیام اور امت کی اصلاح تھا، البتہ اجتہادی فرق نے موقف کو جدا کر دیا۔ یہ اختلاف رائے علمی و اجتہادی نوعیت کا تھا، جس میں دونوں طرف خیر خواہی اور دین داری کا فرما تھی۔

غلط فہمیاں اور سبائیوں کی چال: عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروکاروں نے وہی

کام کیا جس میں وہ مہارت رکھتے تھے: فتنہ انگیزی اور امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا۔ انہوں نے حضرت علی کے لشکر اور اہل جمل کے لشکر کے درمیان شبِ خون مارا اور ایک دوسرے کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا کہ فریقِ مخالف نے معاہدہ توڑ کر اچانک حملہ کیا ہے۔ یہ سازش کامیاب رہی، اور دونوں طرف کے مخلص صحابہ کرام کو یہ گمان ہوا کہ دوسرا فریق دھوکہ دے کر حملہ آور ہوا ہے۔ نتیجتاً وہ جنگ چھڑ گئی جو کبھی دراصل ان کا مقصود نہ تھی۔

جنگ کا قصد اُنہ ہونا: اہل سیرت اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ جنگِ جمل نہ تو کسی طرف سے قصدِ شروع کی گئی اور نہ ہی یہ شعوری منصوبہ بندی کا نتیجہ تھی۔ یہ سراسر غلط فہمی اور فتنہ پرور عناصر کی مکاری کا اثر تھا۔ سلفِ صالحین نے اس بات پر بار بار زور دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والے اختلافات کو اجتہادی سمجھا جائے اور ان کی نیتوں پر حرف نہ لایا جائے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے: جو شخص اصحابِ جمل و صفین میں سے کسی پر زبان درازی کرے، وہ بدعتی ہے (النیل لامام احمد، ص 77)۔

خلاصہ و نتائج: 1- جنگِ جمل کا اصل محرک اقتدار یا دنیاوی اغراض نہیں تھے، بلکہ مقصد عدل و قصاص کا قیام تھا۔ 2- حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل جمل کے مقاصد ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ اجتہادی اختلاف کے باوجود دین کی بھلائی پر مبنی تھے۔ 3- اس جنگ کے آغاز میں سبائیوں کی سازش اور فتنہ انگیزی نے سب کچھ بگاڑا۔ 4- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیتوں میں کوئی دنیوی مفاد شامل نہ تھا، وہ سب دین کی سربلندی چاہتے تھے۔ 5- اس واقعہ سے امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ فتنہ انگیز عناصر

ہمیشہ اصلاحی تحریکوں کو بگاڑنے کے درپے رہتے ہیں، اس لیے بیداری اور اتحاد ہی ان کا بہترین توڑ ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، ج 8، ص 738۔ 3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج 6، ص 20۔ 4- الامام احمد بن حنبل، السنۃ، مکتب المعارف، الریاض، 1423ھ، ص 77۔ 5- الطبری، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1407ھ، ج 3، ص 465۔ 6- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ، ج 3، ص 212۔ 7- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف، الریاض، 1417ھ، ج 7، ص 244۔ 8- قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج 2، ص 110۔ 9- ڈاکٹر علی محمد الصلابی، الدولۃ الامویۃ، دار ابن کثیر، دمشق، 2005ء، ص 75۔

مقاصد اور غلط فہمیاں

اسلامی تاریخ کے نازک ترین ابواب میں سے ایک جنگ جمل ہے۔ یہ جنگ بظاہر مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان ہوئی، مگر درحقیقت اس کا مقصد باہمی قتل و قتال یا اقتدار کی ہوس ہرگز نہ تھا۔ اس کے پس منظر میں امت کی اصلاح، امن و عدل کا قیام اور مظلوم خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے کا

جذبہ کارفرما تھا۔ لیکن فتنہ پرور اور سبائی عناصر کی مکاری نے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ اجتہادی اختلافات غلط فہمیوں میں بدل گئے اور بالآخر ایک افسوسناک معرکہ رونما ہوا۔

اصل نیت: امت میں امن اور قصاص: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی نیت یہ تھی کہ حالات کو قابو میں لا کر امت میں امن و سکون بحال کریں، اور باغیوں کو قانون کے مطابق کیفر کردار تک پہنچائیں۔ ان کا مقصود امت کو مزید انتشار اور خونریزی سے بچانا تھا۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کا مقصد بھی امت کی اصلاح اور شہید مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا فوری قصاص لینا تھا تا کہ فتنہ کی جڑ کاٹ دی جائے۔ دونوں جماعتیں امت کے خیر خواہ تھیں اور ہرگز یہ نہیں چاہتی تھیں کہ مسلمان آپس میں لڑیں۔ یہ اختلاف دراصل اجتہاد میں فرق کا نتیجہ تھا۔ ایک طرف تاخیر کو مصلحت سمجھا گیا، دوسری طرف تعجیل کو ضروری قرار دیا گیا۔ سلف صالحین نے ہمیشہ اس امر پر زور دیا کہ دونوں فریقوں کی نیت خالص اور مقصد دین کی سر بلندی ہی تھا۔

عبداللہ بن سبا کے کارندوں کی چالاکیاں: اصل بگاڑ کا سبب سبائی فتنہ تھا۔ عبداللہ بن سبا اور اس کے کارندوں نے بڑی ہوشیاری سے دونوں لشکروں میں غلط فہمیاں پھیلائیں۔ انہوں نے رات کے اندھیرے میں اچانک حملہ کر کے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ فریق مخالف نے معاہدہ توڑ کر دھوکہ دیا ہے۔ اس فریب نے دونوں طرف کے لشکروں کو اشتعال دلایا اور نتیجہ وہ نکلا جس کی نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو توقع تھی، نہ

حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کو۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین اور مؤرخین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ جنگِ جمل قصداً نہ تھی بلکہ ایک منصوبہ بند سازش اور غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔

قرآن و حدیث میں نیت کی اہمیت: قرآن کریم نے بارہا نیت اور اخلاص کو اعمال کی اصل قرار دیا ہے: ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ (البخاری، کتاب الایمان، حدیث 1)۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے: ”إِنْ تَبَدَّلُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُخَفُّوهُ يَحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ“ (البقرہ: 284)۔ تم جو کچھ اپنے دلوں میں رکھتے ہو، خواہ ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ اس کا حساب لے گا۔ ان آیات و احادیث کی روشنی میں یہ حقیقت کھلتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال کی بنیاد نیک نیت اور خلوص پر تھی۔ اگرچہ ظاہری طور پر معرکہ رونما ہوا، مگر نیت کے اعتبار سے وہ سب دین کے خیر خواہ تھے اور اللہ کے ہاں ماجر ہیں۔

خلاصہ و نتائج: 1۔ جنگِ جمل کا مقصد نہ دنیاوی اقتدار تھا اور نہ ذاتی مفاد، بلکہ اصل نیت امت کی اصلاح اور قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ تھی۔ 2۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ امن قائم کرنا چاہتے تھے، جبکہ اہل جمل تجلیلِ قصاص کے قائل تھے؛ دونوں کا مقصد دینی خیر خواہی تھا۔ 3۔ عبداللہ بن سبا اور اس کے فتنہ پرداز کارندوں نے دونوں لشکروں کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے جنگ بھڑکائی۔ 4۔ قرآن و حدیث نے نیت کو اعمال کی اصل قرار دیا ہے، اس لیے صحابہ کرام کی نیتوں پر بدگمانی کرنا جائز نہیں۔ 5۔ اس واقعہ سے امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ فتنہ پرور عناصر ہمیشہ اصلاحی تحریکوں کو بگاڑنے کی کوشش کرتے

ہیں، لہذا بیداری، اتحاد اور باہمی حسنِ ظن ہی ان کا توڑ ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الایمان، دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، ج 1، ص 9-3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج 6، ص 20-4- الامام احمد بن حنبل، السنۃ، مکتب المعارف، الریاض، 1423ھ، ص 77-5- الطبری، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1407ھ، ج 3، ص 465-6- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ، ج 3، ص 212-7- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف، الریاض، 1417ھ، ج 7، ص 244-8- ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر، بیروت، 2002ء، ج 1، ص 32-9- ڈاکٹر علی محمد الصلائی، الدولۃ الامویۃ، دار ابن کثیر، دمشق، 2005ء، ص 75۔

جنگِ جمل کی انتہا اور نتائج

جنگِ جمل اسلام کی تاریخ کا وہ نازک اور رقت انگیز باب ہے جس نے امتِ مسلمہ کو سخت آزمائش میں مبتلا کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب باہمی غلط فہمیوں، سبائی فتنہ پروروں کی سازشوں اور وقت کے اضطراب نے دو عظیم گروہوں کو، جن میں ہر ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قیادت میں تھا، میدانِ کارزار میں لاکھڑا کیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں طرف کی نیت دین کے غلبے اور حق کے قیام کی تھی، نہ کہ ذاتی مفاد یا

اقتدار کی۔ جنگ کے بعد جو کچھ ہوا، وہ اس بات کی شہادت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد اللہ کی رضا اور امت کا اتحاد تھا۔

میدانِ جمل کا منظر: میدانِ جمل میں جب جنگ چھڑ گئی تو فضا میں تلواروں کی جھنکار اور نیزوں کی ٹکر سنائی دیتی تھی۔ ایک طرف ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قیادت تھی، دوسری طرف امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا لشکر۔ میدانِ خون سے تر ہو رہا تھا، لیکن دلوں میں ابھی بھی امت کے اتحاد کی تڑپ باقی تھی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بارہا لشکر کو تاکید فرمائی کہ عورتوں اور غیر متحاربین کو ہرگز نقصان نہ پہنچایا جائے۔

صحابہ کی شہادتیں: اس معرکے میں امت کے کئی نامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اصحاب بھی اس معرکے میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔ ان کی شہادتوں نے امت کے دل کو چیر کر رکھ دیا اور ہر انصاف پسند شخص نے اس المیہ کو امت کے لئے عظیم خسارہ قرار دیا۔

جنگ کے بعد صلح اور معافی: جنگ کے اختتام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی عظیم الشان عدل و کرم نوازی کی مثال قائم کی۔ آپ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خیمے تک خود تشریف لے گئے، نہایت ادب و احترام سے گفتگو کی اور انہیں نہ صرف امن دیا بلکہ بڑے عزت و احترام کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔ یہ منظر دراصل امت کے لیے اس سبق کا پیغام تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

نیتیں پاکیزہ اور اعمال خالص تھے، اختلاف کے باوجود دلوں میں ایک دوسرے کے لیے عزت اور محبت باقی تھی۔

خلاصہ و نتائج: 1- جنگِ جمل کا اختتام خون ریزی کے باوجود صلح اور معافی پر ہوا۔ 2- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عزت و احترام کو امت کے سامنے ایک روشن مثال کے طور پر پیش کیا۔ 3- اس جنگ نے یہ حقیقت واضح کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو بھی اختلاف ہوا وہ امت کے بھلے کے لئے اجتہادی کوشش تھی، نہ کہ دنیاوی اقتدار کی جنگ۔ 4- اس حادثے نے امت کو یہ درس دیا کہ دشمن کی سازشوں اور باہمی غلط فہمیوں سے بچنا ایمان کے تحفظ اور امت کی وحدت کے لئے لازمی ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم، سورة الحجرات، آیت: 10-2- صحیح البخاری، کتاب الصلح، حدیث: 2699، مطبوعہ: دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، ج 5، ص 304-3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث: 1854، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج 3، ص 1475-4- تاریخ الطبری، ابن جریر طبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1407ھ، ج 4، ص 536-5- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، 1408ھ، ج 7، ص 235-6- الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ، ج 3، ص 246-7- فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، دار المعرفۃ، بیروت، 1379ھ، ج 13، ص 60-8- فتاویٰ عالمگیریہ، مطبع مجتہائی، دہلی، ج 2، ص 272-9- شرح العقیدہ الطحاویہ، ابن ابی العز، مکتبہ الحق، دہلی، ج 2، ص

580-10- معاصر حوالہ: مولانا سید سلیمان ندوی، خلافت و ملوکیت پر تبصرہ، مجلس تحقیقات اسلامی، اعظم گڑھ، 1989ء، ص 142۔

جنگِ جمل کے شہداء

1- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صف میں شہداء: تاریخی کتب (تاریخ طبری 4/536، البدایہ والنہایہ 7/238) کے مطابق تقریباً 5000 افراد شہید ہوئے۔ ان میں زیادہ تر تابعین اور قبائل کے بزرگ تھے۔ بڑے صحابہ کرام کی شہادت کم تھی۔ چند اہم نام درج ذیل ہی: 1- سہل بن حنیف الانصاری رضی اللہ عنہ (بدر اور احد کے مجاہد) بعض روایات میں ان کی وفات بعد میں ذکر ہے، مگر کچھ کتب میں جمل میں شہادت کا تذکرہ آیا ہے۔ 2- عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (نوٹ: وہ جمل میں نہیں بلکہ صفین میں شہید ہوئے، لیکن بعض غیر معتبر روایات میں جمل کا ذکر بھی ملتا ہے)۔ 3- خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ (ذوالشہادتین) بعض مورخین کے مطابق جمل میں زخمی ہو کر بعد میں شہید ہوئے، زیادہ صحیح قول صفین ہے۔ 4- محمد بن طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، وہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور جمل میں شہید ہوئے۔

2- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صف میں شہداء: ان کے ساتھ تقریباً 2000 افراد شہید ہوئے۔ ان میں بڑے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے: 1- حضرت

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے، جنگ کے دوران ایک تیر سے شہید ہوئے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 7/232)۔ 2- حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے، جنگ کے آغاز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے پر میدان سے واپس لوٹے، لیکن راستے میں ایک بد بخت ابن ہر موز نے شہید کر دیا (طبری 4/532)۔ 5- عبد اللہ بن حکیم التمیمی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قافلے میں شامل تھے۔ 6- کثیر بن شیبان رضی اللہ عنہ جلیل القدر تابعی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے۔

3- مجموعی منظر: کل شہداء کی تعداد: مختلف روایات میں 7000 تا 10,000

کے درمیان۔ سب سے بڑی شہادت: حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے بعد فرمایا: کاش! میں اس سے پہلے وفات پا چکا ہوتا اور یہ دن نہ دیکھتا (البدایہ والنہایہ 7/239)۔

خلاصہ و نتائج: جنگ جمل دراصل سبائی فتنہ پروروں کی سازش تھی، نہ کہ صحابہ کرام کی باہمی ضد۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شہادتیں زیادہ ہوئیں لیکن زیادہ تر عام افراد تھے، بڑے صحابہ کرام کی اکثریت محفوظ رہی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے دو عظیم صحابہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت تاریخ اسلام کا نہایت غمناک باب ہے۔ یہ جنگ اس بات کی عبرت ہے کہ امت جب اندرونی فتنہ کا شکار ہو جائے تو دشمن قوتیں اس سے کیسے فائدہ اٹھاتی ہیں۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح بخاری، کتاب الفتن، حدیث

4107-3-صحیح مسلم، کتاب الفتن، حدیث 2915-4-الطبری، تاریخ الامم والملوک، دار التراث، بیروت، 1967، ج 4، ص 532-536-5-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار الفکر، بیروت، 1985، ج 7، ص 232-239-6-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1987، ج 3، ص 212-7-ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 2، ص 299-8-شبلی نعمانی، المعاملات فی الاسلام (تاریخ الخلفاء الراشدین)، مطبع مجلس دہلی، ص 143۔

جنگِ صفین

(حضرت علی اور حضرت معاویہ کا موقف)

اسلامی تاریخ میں جنگِ صفین ایک نہایت حساس اور اہم باب ہے۔ یہ معرکہ دراصل دو جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہما، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے درمیان قصاصِ عثمان کے مسئلہ میں اجتہادی اختلاف کا نتیجہ تھا۔ یہ اختلاف ذاتی مفاد، دنیوی غلبہ یا اقتدار کی ہوس کا مظہر نہیں تھا، بلکہ امت کی مصلحت اور شریعت کے تقاضوں کی تعبیر میں اجتہادی فرق تھا۔ دونوں فریق اپنے اپنے موقف کو قرآن و سنت اور مصالحِ امت کی روشنی میں درست سمجھتے تھے، اور دونوں ہی اللہ کے مقرب صحابہ تھے جن کی نیتیں پاک اور مقاصد خیر پر مبنی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف: امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے خلافت

سنجھانے کے بعد سب سے پہلے امت کے اتحاد اور داخلی امن کو ترجیح دی۔ آپؐ کے نزدیک قصاصِ عثمانؓ کا نفاذ ایک اہم دینی فریضہ تھا، مگر اس سے بھی بڑھ کر امت کا شیرازہ بکھرنے سے بچانا زیادہ ضروری تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ قاتلانِ عثمانؓ کی شناخت اور گرفتاری فی الفور ممکن نہیں، کیونکہ وہ بغاوت کے جتھوں میں گھل مل گئے ہیں اور ان کے خلاف کارروائی فوری کی گئی تو پورا ملک خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائے گا۔ آپؐ کے نزدیک پہلے نظم و نسق کو مضبوط کرنا، بغاوت کے فتنہ کو دبانا اور پھر شرعی تقاضے کے مطابق باقاعدہ عدالتی عمل سے قصاص لینا ہی امت کے امن کے لیے موزوں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے قصاص میں تاخیر کو مصلحتِ شرعیہ قرار دیا، نہ کہ ترکِ قصاص۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف: حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے اور حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کو ظلمِ عظیم اور امت کے شیرازہ کو منتشر کرنے والا واقعہ سمجھا۔ حضرت معاویہؓ کے نزدیک قاتلانِ عثمانؓ کی فوری گرفتاری اور ان سے قصاص لینا ضروری تھا، تا کہ امت میں عدل قائم ہو اور شہیدِ خلیفہ کا خون رائیگاں نہ جائے۔ آپؐ نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب تک قاتلانِ عثمانؓ کو سزا نہ دی جائے، امت کے اتحاد اور خلافت کی بیعت مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ آپؐ کے اس موقف کے پس منظر میں شریعت کے اصولِ عدل کے ساتھ ساتھ ذاتی وفاداری بھی شامل تھی، لیکن یہ وفاداری دینی تقاضے اور شرعی فریضہ سمجھ کر ہی تھی، نہ کہ کسی دنیاوی مصلحت کی بنا پر۔

سلف صالحین کی تعمیر: ائمہ و محدثین نے بالاتفاق اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ

دونوں فریق حق پر تھے، مگر اجتہاد میں اختلاف ہوا۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: کلا الطائفتین کانوا مجتہدین، فالْمَصِیْب لہ اجران والمخطئ لہ اجر واحد (مجموع الفتاویٰ، ج 3، ص 406)۔ یعنی دونوں گروہ مجتہد تھے، صحیح موقف والے کو دو اجر ملیں گے اور خطا والے کو بھی ایک اجر۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں: معاویہ و اصحابہ کانوا یعتقدون انہم علی الحق، و علی و اصحابہ کانوا یعتقدون ذلک، فالکل مجتہدون (شرح صحیح مسلم، ج 15، ص 149)۔ یہی بات جمہور محدثین و فقہاء نے تسلیم کی کہ یہ اختلاف نیتوں کے بگاڑ یا دنیاوی حرص کا نتیجہ نہیں، بلکہ اجتہادی خطا اور صواب کا تھا۔

خلاصہ و نتائج: 1- حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے موقف قرآن و سنت کے فہم اور امت کی مصلحت کے لحاظ سے اجتہادی تھے۔ 2- حضرت علیؓ نے امن و اتحاد کو مقدم جانتے ہوئے قصاص میں تاخیر کو مصلحت سمجھا، جب کہ حضرت معاویہؓ نے فوری قصاص کو عدل کا تقاضا قرار دیا۔ 3- دونوں کے دل خالص اور نیتیں پاکیزہ تھیں، اس لیے ان میں سے کسی پر طعن یا تنقیص روا نہیں۔ 4- ائمہ سلف نے دونوں کے اجتہاد کو معتبر قرار دیا اور ان کی عظمت و عدالت پر ایمان رکھنا اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ 5- ان اختلافات سے امت کے لیے سبق یہ ہے کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کو تنقیص کا ذریعہ نہ بنایا جائے، بلکہ وسعتِ ظرف اور احترامِ اسلاف کے ساتھ دیکھا جائے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم سورہ بقرہ: 190، سورہ نساء: 59، سورہ حجرات: 9۔ 2- الصحیح البخاری کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی اموراً

تنگر و نہا۔ 3-اصحیح مسلم کتاب الامارۃ، باب حکم الامام اذا اجتہد۔ 4-ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ج 3، ص 406، مطبوعہ: دار الوفاء، قاہرہ، 1426ھ۔ 5-امام نووی، شرح صحیح مسلم، ج 15، ص 149، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، 1416ھ۔ 6-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 238-250، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1408ھ۔ 7-ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج 6، ص 120، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت۔ 8-شبلی نعمانی، المامون والفتن الکبریٰ، مطبوعہ: شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 2003ء۔

شام اور عراق کی سیاسی صورتحال

خلافتِ راشدہ کے عہد میں اسلامی سلطنت تیزی سے وسعت پذیر ہوئی۔ ایک طرف عراق (بصرہ و کوفہ) کے علاقے خلافتِ مرکزیہ کے قریب تھے، جہاں فتوحات کی وجہ سے مختلف قبائل آباد ہوئے، دوسری طرف شام کا علاقہ تھا جسے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے زیر انتظام دیا گیا۔ دونوں خطے نہ صرف جغرافیائی طور پر بلکہ سیاسی، قبائلی اور سماجی اعتبار سے بھی مختلف حیثیت رکھتے تھے۔ انہی اختلافات نے بعد کے حالات پر اثر ڈالا اور جنگِ صفین کے پس منظر کو واضح کیا۔

عراق کی سیاسی و سماجی صورتحال: 1-نوآبادیاں اور قبائلی تنوع: عراق میں فتوحات کے نتیجے میں مختلف عرب قبائل (قریش، تمیم، ازد، ربیعہ وغیرہ) بڑی تعداد میں آباد ہوئے۔ یہ تنوع سیاسی استحکام کے بجائے بعض اوقات اختلافات اور کشمکش کا

سبب بنتا تھا۔ کوفہ اور بصرہ دو بڑے فوجی مراکز تھے جہاں قبائلی عصبيت نمایاں تھی۔

2- سیاسی فضا اور جذباتی رجحان: عراق کے عوام میں فتوحات کی وجہ سے دینی جوش و خروش کے ساتھ ساتھ سیاسی جذبات بھی شدید تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بعض اوقات اجتماعی فیصلے جذباتی رنگ اختیار کر لیتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا تاکہ امت کے معاملات پر قریبی نظر رکھی جاسکے۔ 3- قصاص عثمان کا مطالبہ: عراق کے لوگ شہادت عثمانؓ کے بعد قصاص کے مسئلہ میں مختلف آراء رکھتے تھے۔ بعض گروہ فوری اقدام کے قائل تھے اور بعض تاخیر کو مصلحت سمجھتے تھے۔ اس تنوع نے عراق کے سیاسی منظر نامہ کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔

شام کی سیاسی و سماجی صورتحال: 1- انتظامی استحکام اور وحدت: شام حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد سے حضرت معاویہؓ کے زیر حکومت تھا۔ آپؓ نے وہاں نہایت مضبوط، منظم اور مربوط نظام قائم کیا۔ شام کے عوام اپنی وفاداری اور فرمانبرداری میں مشہور تھے، اس لیے وہاں قبائلی انتشار کم تھا۔ 2- وفاداری برائے خاندان عثمان: چونکہ حضرت معاویہؓ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار تھے، اس لیے شام کے عوام شہادت عثمانؓ پر نہایت رنجیدہ تھے اور قاتلان عثمانؓ کے خلاف سخت موقف رکھتے تھے۔ وہ حضرت معاویہؓ کی قیادت میں فوری قصاص کو دین اور عدل کا تقاضا سمجھتے تھے۔ 3- سیاسی مرکزیت اور طاقت: شام میں عسکری و مالی وسائل زیادہ مستحکم تھے۔ رومی سرحد سے متصل ہونے کی وجہ سے وہاں نظم و ضبط اور عسکری تیاریوں پر

خاص توجہ دی جاتی تھی۔ اسی مضبوطی نے شام کو ایک مستحکم سیاسی قوت بنا دیا۔

سلف صالحین کی تعبیر: ائمہ محدثین اور مؤرخین نے واضح کیا ہے کہ عراق اور شام کی سیاسی فضا کے اختلاف نے دونوں فریقوں کے موقف کو متاثر کیا۔ امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: کان اهل الشام يرون المبادرة الى القصاص، و كان اهل العراق يرون التريث حتى تستقر الدولة (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 241)۔ یعنی اہل شام فوری قصاص کے قائل تھے اور اہل عراق کے نزدیک پہلے استحکام حکومت ضروری تھا۔ امام نوویؒ نے فرمایا: الكل مجتهدون في طلب الحق، فكان اختلافهم في الطريق لا في الغاية (شرح صحیح مسلم، ج 15، ص 149)۔ یعنی دونوں حق کے طالب تھے، اختلاف صرف طریقہ کار میں تھا، مقصد ایک ہی تھا۔

خلاصہ و نتائج: 1- عراق میں قبائلی تنوع اور سیاسی کشمکش نے حالات کو پیچیدہ بنایا، جبکہ شام میں وحدت اور استحکام نمایاں تھا۔ 2- حضرت علیؑ نے عراق کو مرکز خلافت بنا کر امت کے شیرازہ کو جوڑنے کی کوشش کی، جبکہ حضرت معاویہؓ نے شام کے نظم و ضبط کے ساتھ قاتلانِ عثمانؓ کے فوری قصاص پر زور دیا۔ 3- دونوں فریق اپنے اپنے اجتہاد میں مخلص تھے۔ ایک طرف امن و استحکام کی مصلحت تھی اور دوسری طرف عدل و قصاص کی ترجیح۔ 4- اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ یہ اختلافات اجتہادی تھے، اور دونوں فریق صحابہ کرامؓ اپنے اجتہاد میں ماجر و مغفور ہیں۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم سورة الحجرات: 9، سورة النساء: 59۔
2- الصحیح البخاری کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی اموراً تنکرونها۔

3-اصحیح مسلم کتاب الامارۃ، باب حکم الامام اذا اجتهد۔ 4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 241، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1408ھ۔ 5-امام نووی، شرح صحیح مسلم، ج 15، ص 149، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، 1416ھ۔ 6-ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج 6، ص 120، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت۔ 7-علامہ شبلی نعمانی، المامون والفتن الکبریٰ، مطبوعہ: شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 2003ء۔

حضرت علیؑ کا موقف

(پہلے استحکام، پھر قصاص)

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اسلام کی تاریخ کا ایک نہایت دردناک واقعہ ہے جس نے امت کے اتحاد کو گہرا صدمہ پہنچایا۔ اس حادثے کے بعد امت ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی جہاں قصاص عثمانؓ کے مطالبے نے سیاسی اور اجتماعی منظر نامے کو یکسر بدل دیا۔ ایسے نازک وقت میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر خلافت کی بھاری ذمہ داری عائد ہوئی۔ آپؑ نے اپنے بصیرت افروز اجتہاد اور وسیع النظر قیادت کے تحت یہ موقف اختیار فرمایا کہ قصاص کا نفاذ امت کے استحکام اور نظام حکومت کی مضبوطی کے بعد ہی ممکن ہے۔

حضرت علیؑ کے موقف کی بنیاد: حضرت علیؑ کا یہ موقف قرآن و سنت کے اصولوں، مصلحت شرعیہ اور امت کے اجتماعی استحکام پر مبنی تھا: 1- نظام حکومت کی بحالی

قاتلانِ عثمان مختلف گروہوں اور قبائل میں منتشر تھے۔ اگر فوراً قصاص کی کارروائی کی جاتی تو خانہ جنگی پورے ملک میں بھڑک اٹھتی۔ اس لیے حضرت علیؓ نے پہلے حکومت کو مستحکم کرنے اور نظم و نسق قائم کرنے کو مقدم جانا۔ 2- شرعی قاعدہ مقدم اور مؤخر احکام: فقہ اسلامی کا اصول ہے کہ بعض اوقات ایک واجب کو دوسرے واجب پر مقدم کیا جاتا ہے اگر اس میں مصلحت عامہ زیادہ ہو۔ حضرت علیؓ نے قصاص کے وجوب کا انکار نہیں کیا، بلکہ اس کے نفاذ کو اس وقت کے حالات میں مؤخر کیا۔ 3- فتنہ کے سد باب کی کوشش: قاتلانِ عثمان خود بھی ان فتنہ پرداز گروہوں میں شامل تھے جو خلافت کے خلاف شورش پر آمادہ تھے۔ اگر ان کے خلاف فوری اقدام ہوتا تو وہ مزید انتشار پھیلا دیتے۔ اس لیے حضرت علیؓ نے فتنہ کے دروازے کو بند کرنے کے لیے استحکام حکومت کو مقدم سمجھا۔

حضرت علیؓ کے موقف کے دلائل: 1- قرآن میں ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الأنعام: 108)۔ اس آیت سے اصول مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کسی عمل سے بڑا فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے وقتی طور پر روکا جاسکتا ہے۔ 2- نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ (ابن ماجہ، حدیث: 2340)۔ یعنی کسی کو نقصان پہنچانا یا اس کے بدلے نقصان دینا جائز نہیں۔ حضرت علیؓ کے نزدیک فوری قصاص بڑے نقصان اور انتشار کا سبب بن سکتا تھا۔ 3- حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا أُرِدْتُ أَنْ أَسْتَوْثِقَ مِنَ النَّاسِ ثُمَّ أَوْقَعَ بِهِمُ (الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 446)۔ یعنی میں چاہتا ہوں کہ پہلے لوگوں کو مطمئن اور منظم کر لوں،

پھر قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لوں۔

سلف صالحین کی آراء: امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: کان علی یعلم أن مصلحة الأئمة في تأخير القصاص حتى تستقر الدولة، وكان ذلك اجتهاداً صحيحاً (مجموع الفتاوى، ج 35، ص 72)۔ امام ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا: لم يكن تركاً للقصاص، بل كان تأخيراً لمصلحة راجحة (فتح الباری، ج 6، ص 67)۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: الكل كانوا يرون طلب الحق، إلا أن علياً رأى أن التريث أصلح (شرح صحیح مسلم، ج 15، ص 150)۔ یہ اقوال واضح کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا موقف دراصل امت کی حفاظت اور فتنہ سے بچانے کی کوشش تھی۔

خلاصہ و نتائج: 1- حضرت علیؓ نے قصاص کے وجوب کا انکار نہیں کیا، بلکہ اس کے نفاذ کو وقتی طور پر مؤخر کیا۔ 2- آپؐ کے نزدیک پہلے امت کو داخلی انتشار سے محفوظ کرنا اور خلافت کو مستحکم کرنا زیادہ اہم تھا۔ 3- یہ موقف قرآن و سنت کے اصولِ مصلحت اور فتنہ کے سدِّ باب پر مبنی تھا۔ 4- سلف صالحین نے اس اجتہادی موقف کو درست قرار دیا اور اس میں حضرت علیؓ کی بصیرت و حکمت کو سراہا۔ 5- اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور آپؐ کا موقف امت کے لیے امن و اتحاد کا ضامن تھا۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم سورة الانعام: 108، سورة النساء: 59۔
2- سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام، حدیث: 2340۔ 3- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 446، مطبوعہ: دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 4- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ،

ج 7، ص 241، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1408ھ۔ 5- ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ج 35، ص 7، مطبوعہ: دارالوفاء، قاہرہ، 1426ھ۔ 6- ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج 13، ص 67، مطبوعہ: دارالمعرفۃ، بیروت۔ 7- امام نووی، شرح صحیح مسلم، ج 15، ص 150، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، 1416ھ۔ 8- علامہ شبلی نعمانی، المامون والفتن الکبریٰ، مطبوعہ: شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 2003ء۔

حضرت معاویہؓ کا موقف

(پہلے قصاص، پھر بیعت)

خلافت راشدہ کے ایام فتنہ میں شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حادثہ تاریخ اسلام کا نہایت اندوہناک اور ہلا دینے والا واقعہ ہے۔ یہ سانحہ امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق پر شدید اثر انداز ہوا اور اس کے نتیجے میں سیاسی و انتظامی امور میں اختلافات رونما ہوئے۔ انہی اختلافات میں سب سے نمایاں اختلاف حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے درمیان تھا۔ یہ اختلاف بنیادی طور پر قصاص عثمان کے طریقہ کار اور اس کے وقت سے متعلق ایک اجتہادی اختلاف تھا، جس میں دونوں جلیل القدر صحابہ کرام اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق موقف رکھتے تھے۔

حضرت معاویہؓ کا موقف: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت شام کے

گورنر تھے، اور ان کے زیر اقتدار علاقہ میں امن و سکون قائم تھا۔ حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ کے قتل نے ان کے قلب کو شدید صدمہ پہنچایا، کیونکہ وہ نہ صرف دامادِ رسول ﷺ تھے بلکہ اہل ایمان کے خلیفہ بھی تھے۔ حضرت معاویہؓ کا موقف یہ تھا کہ: 1- قصاص عثمانؓ کو فوری طور پر نافذ کیا جائے تاکہ قاتلین عثمان کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جاسکے۔ 2- ان کے نزدیک بیعت اور خلافت کے استحکام سے پہلے یہ لازم ہے کہ شہیدِ مظلوم حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ (البقرة: 179)۔ (اور اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے)۔ 3- وہ سمجھتے تھے کہ اگر قصاص میں تاخیر کی گئی تو باغیوں کے حوصلے بڑھیں گے، اور شریعتِ مطہرہ میں خونِ ناحق کا بدلہ لینا مقدم ہے۔ 4- حضرت معاویہؓ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں لائی گئیں۔ ان کو دیکھ کر شام کے عوام میں شدید جذبات بھڑک اٹھے اور سب نے حضرت معاویہؓ سے یہی مطالبہ کیا کہ قاتلین کو فوراً سزا دی جائے۔ اس عوامی دباؤ نے بھی ان کے موقف کو مزید تقویت دی۔

سلف صالحین کی تعبیر: ائمہ و محدثین نے واضح کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا یہ موقف اجتہاد پر مبنی تھا۔ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے منکر نہ تھے، نہ ہی کسی بغاوت کے داعی تھے، بلکہ صرف یہ چاہتے تھے کہ قصاص پہلے لیا جائے، اور پھر بیعت کا عمل مکمل کیا جائے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کان معاویۃ یقرّ بخلافۃ علی، ولکنہ کان یطلب تقدیم القصاص علی البیعة، وهذا اجتہاد منہ۔ (حضرت معاویہؓ

حضرت علیؑ کی خلافت کو مانتے تھے، مگر ان کا اجتہاد یہ تھا کہ بیعت سے قبل قصاص لیا جائے۔ (منہاج السنۃ، ج 4، ص 381، مطبوعہ دار عالم الفوائد)۔ امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ما أراد معاوية إلا المطالبة بدم عثمان، ولم يكن في قلبه إنكارٌ لإمامة علي۔ (حضرت معاویہؓ کی غرض صرف خون عثمان کا مطالبہ تھا، نہ کہ حضرت علیؑ کی امامت کا انکار) (سیر أعلام النبلاء، ج 3، ص 140، مطبوعہ الرسالۃ)۔

خلاصہ و نتائج: 1- حضرت معاویہؓ کا موقف ایک اجتہادی مسئلہ تھا، جس کی بنیاد ان کی دوراندیشی اور شام کے حالات تھے۔ 2- وہ حضرت علیؑ کی خلافت کے منکر نہ تھے، بلکہ قصاص کو مقدم سمجھتے تھے۔ 3- ان کا یہ اجتہاد اگرچہ حضرت علیؑ کے موقف سے مختلف تھا، مگر دونوں کی نیت امت کی اصلاح اور عدل و انصاف کی برقراری تھی۔ 4- اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ دونوں فریقین اپنے اجتہاد میں مامور باللہ تھے، اور دونوں ہی صحابہ کرام اہل جنت اور رضائے الہی کے مستحق ہیں۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم، سورة البقرة، 2: 179۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ: سترون بعدی أموراً تنکرونها (حدیث: 3606)۔ 3- ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویہ، ج 4، ص 381، دار عالم الفوائد، ریاض۔ 4- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 251، دار ہجر، مصر۔ 5- امام ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج 3، ص 140، مؤسسة الرسالۃ، بیروت۔ 6- علامہ شبلی نعمانی، المیزان، ج 2، ص 74، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔

معرکہ صفین کی تفصیل

اسلامی تاریخ میں جنگ صفین ایک ایسا باب ہے جو نہ صرف مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں بلکہ دینی اور اجتماعی فکر میں بھی نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ یہ واقعہ اس عظیم فتنہ کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کی ابتداء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ہوئی۔ صفین کا میدان امت مسلمہ کے لیے ایک سخت آزمائش اور ابتلاء کا مقام بنا، جہاں دو جلیل القدر صحابہ کرام، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اپنے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر آمنے سامنے آئے۔ یہ معرکہ اگرچہ جنگ کی صورت اختیار کر گیا، لیکن دونوں فریقین کی نیت دین کی نصرت اور عدل کی سربلندی تھی۔ اس واقعہ میں امت کے لیے عبرت و بصیرت کے بے شمار پہلو موجود ہیں، جنہیں ائمہ اور محدثین نے پوری دیانت اور اعتدال کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

صفین کا میدان اور پس منظر: حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد امت انتشار کا شکار تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ میں خلافت کی بیعت دی گئی۔ دوسری جانب حضرت معاویہؓ اور شام کے لوگ قاتلین عثمانؓ کے فوری قصاص پر اصرار کرتے رہے۔ اسی اختلاف کی بنا پر دونوں لشکر صفین کے مقام پر جمع ہوئے۔

مقام صفین: یہ علاقہ شام کی سرزمین پفرات کے کنارے واقع ہے، جو آج کل الرقة (Raqqa) کے قریب شمار ہوتا ہے۔ زمانہ: سنہ (37 ہجری 657ء) میں

یہ معرکہ برپا ہوا۔ فریقین: لشکرِ عراق: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قیادت میں۔ لشکرِ شام: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں۔

صلح کی کوششیں: ابتداء میں دونوں طرف سے خونریزی سے بچنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ حضرت علیؑ نے کئی بار پیغام بھیجا کہ امت کو جنگ سے بچایا جائے اور گفت و شنید کے ذریعے مسئلہ حل کیا جائے۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ بھی براہِ راست حضرت علیؑ سے ٹکرانا نہ چاہتے تھے بلکہ وہ قاتلینِ عثمانؓ کے حوالے سے اپنے موقف پر قائم تھے۔ کئی دنوں تک دونوں طرف سے مکالمہ، مذاکرات اور خطبات کا تبادلہ ہوا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اور دیگر اکابر صحابہ نے بھی صلح کی کوشش کی، لیکن باہمی اجتہادی اختلاف اور فتنہ پردازوں کی سازشوں کے باعث معاملہ حل نہ ہو سکا۔

معرکہ کا آغاز: جب کوئی فیصلہ کن بات نہ ہو سکی تو ذی الحج 36ھ کے آخر یا محرم 37ھ کے آغاز میں معرکہ شروع ہوا۔ جنگ کئی دن جاری رہی، جس میں کبھی حضرت علیؑ کا لشکر غالب آتا اور کبھی حضرت معاویہؓ کی فوج کو غلبہ حاصل ہوتا۔ روایات میں آتا ہے کہ جنگ تقریباً 110 دن تک جاری رہی اور اس دوران ستر ہزار کے قریب مسلمان شہید ہوئے۔ سب سے خونریز دن یوم الہریر کہلاتا ہے، جب دونوں طرف سے ہزاروں مسلمان جان کی بازی ہار گئے۔

قرآن کے اوراق بلند کرنا: جب جنگ شدت اختیار کر گئی اور حضرت علیؑ کی فوج غالب آنے لگی تو لشکرِ شام کے بعض سرداروں نے تجویز دی کہ قرآن مجید کے نسخے نیزوں

پر بلند کیے جائیں تاکہ فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق ہو۔ یہ منظر دیکھ کر دونوں طرف کے اکثر سپاہیوں نے جنگ روکنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یہ محض ایک چال ہے، لیکن ان کے لشکر کے ایک بڑے حصے نے اصرار کیا کہ قرآن کے فیصلے کو قبول کیا جائے۔ اس طرح جنگ رُک گئی اور دونوں طرف سے حکمین مقرر کرنے پر اتفاق ہوا۔

حکمین کا معاملہ: حضرت علیؑ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ منتخب ہوئے۔ حضرت معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاصؓ مقرر کیے گئے۔ ان دونوں کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں امت کا مسئلہ حل کریں۔ لیکن تاریخی روایات کے مطابق یہ فیصلہ امت کے لیے مزید اختلاف اور نفاق کا سبب بنا۔

سلف و محدثین کی آراء: ائمہ و محدثین نے اس جنگ کو اجتہادی اختلاف قرار دیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اتفق أهل السنة على أن ما وقع بين الصحابة من القتال كان عن اجتihad، وكلهم مأجورون فيه (شرح صحیح مسلم، ج 15، ص 149، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)۔ (اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کے مابین جو قتال ہوا، وہ اجتہاد کی بنیاد پر تھا اور سب اس میں ماجر ہیں)۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ما جرى في صفين من القتال، فهو فتنة عظيمة، اجتهد فيها الفريقان، وكل قصد طاعة الله (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 261، دار الحجر)۔ (صفین میں جو کچھ ہوا وہ ایک عظیم فتنہ تھا، جس میں دونوں فریقوں نے اجتہاد کیا اور دونوں کا قصد اللہ کی اطاعت تھی)۔ خلاصہ و نتائج: 1- معرکہ صفین مسلمانوں کے درمیان سب سے بڑا فتنہ تھا،

مگر یہ محض اجتہادی اختلاف تھا۔ 2- دونوں فریقین کی نیت دین کی سر بلندی اور عدل کے قیام کی تھی۔ 3- اس جنگ کے نتیجے میں ہزاروں مسلمانوں کی جانیں گئیں، جو امت کے لیے عظیم خسارہ ہے۔ 4- قرآن کے اوراق بلند کرنا اور حکمین کی تعیین اس واقعہ کے اہم ترین پہلو ہیں۔ 5- اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محترم اور معزز ہیں، ان کے بارے میں زبان کھولنا جائز نہیں، بلکہ ان سب کے لیے دل میں خیر خواہی اور دعا رکھنا ایمان کا حصہ ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم، سورة البقرة، 2: 179۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی اموراً تنکرونها (حدیث: 3606)۔ 3- صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب إذا تواجہ المسلمان بسيفيهما (حدیث: 2888)۔ 4- امام ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 265-251، دار ہجر، مصر۔ 5- امام ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج 3، ص 145-140، مؤسسة الرسالة، بیروت۔ 6- امام ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویۃ، ج 4، ص 389-381، دار عالم الفوائد، ریاض۔ 7- امام نووی، شرح صحیح مسلم، ج 15، ص 149، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

جنگِ صفین کی ابتداء

(تاریخی تجزیہ اور آثارِ سلف کی روشنی میں)

اسلامی تاریخ کا باب صفین امت مسلمہ کی تاریخ کے اُن نازک اور پیچیدہ

ابواب میں سے ہے جن پر اہل ایمان کے دل آج بھی مغموم اور اشکبار ہوتے ہیں۔ اس جنگ میں دو جلیل القدر صحابی رسول ﷺ کے لشکر آ منے سامنے ہوئے: ایک طرف امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ۔ دونوں اپنی جگہ اجتہاد پر قائم تھے اور دونوں کا مقصد اسلام کی سر بلندی اور امت کا اتحاد تھا۔ البتہ حالات و اسباب نے انہیں اس موڑ پر لا کھڑا کیا جہاں فتنہ پرست عناصر نے موقع پا کر امت میں نفاق کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی۔

دونوں لشکروں کی تیاری اور نیت: حضرت علی کرم اللہ وجہہ عراق سے اپنے لشکر کے ساتھ صفین پہنچے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام سے اپنی جماعت کے ہمراہ تشریف لائے۔ دونوں طرف سے مقصد یہ تھا کہ معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے قصاص پر حل ہو۔ حضرت علیؑ کا موقف تھا کہ پہلے حکومت مستحکم کی جائے تاکہ قاتلان عثمانؓ کو تلاش کر کے عدل و انصاف کے ساتھ سزا دی جاسکے۔ حضرت معاویہؓ کا موقف یہ تھا کہ پہلے قاتلان عثمانؓ کو سزا دی جائے پھر بیعت و اتحاد کے معاملات طے ہوں۔ ان اختلافات کے باوجود دونوں فریقین میں کئی دن تک صلح و مفاہمت کی کوششیں ہوتی رہیں۔

جنگ کے آغاز کا سبب: اہم سوال یہ ہے کہ جنگ کی ابتدا کس جانب سے ہوئی؟ 1- تاریخ طبری (ج 4، ص 1115) اور الکامل فی التاریخ (ابن اثیر، ج 3، ص 308) میں ہے کہ دونوں لشکر اس وقت تک قتال کے لئے آمادہ نہ تھے جب تک کہ

رات کے اندھیرے میں چند منافق اور باغی عناصر نے اچانک حملہ نہیں کیا۔ 2- البدایہ والنہایہ (ابن کثیر، ج 7، ص 260) میں مذکور ہے کہ یہ وہی خبیث گروہ تھا جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھا اور اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ امت کے دونوں بڑے گروہ صلح کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے فریقین پر بیک وقت حملہ کیا اور دونوں طرف یہ تاثر دیا کہ مقابل فریق نے بدعہدی کرتے ہوئے جنگ شروع کر دی۔ 3- امام ذہبیؒ نے (تاریخ الاسلام، ج 3، ص 381) میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے کہ یہ جنگ دراصل سازش کا نتیجہ تھی، نہ کہ علیؓ یا معاویہؓ کے حکم سے۔

آثارِ سلف کی روشنی میں: ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ نے بالاتفاق فرمایا کہ جنگِ صفین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات اجتہادی تھے، نہ کہ دنیوی خواہشات یا اقتدار پرستی کی بنا پر۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: تلک فتنة عصم اللہ منها سیوفنا، فلنعصم منها ألسنتنا (البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 237)۔ (یہ وہ فتنہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو بچا لیا، لہذا ہمیں اپنی زبانوں کو بھی بچانا چاہیے)۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: الصحابة کلهم عدول، وما جرى بينهم فهو اجتهد سائغ (الشفاء، ج 2، ص 303)۔ (تمام صحابہ عادل ہیں، اور جو کچھ ان کے درمیان ہوا وہ اجتہاد کے دائرے میں تھا)۔

خلاصہ و نتائج: 1- جنگِ صفین کی ابتدا کسی ایک لشکر یا کسی صحابی کی طرف سے نہ تھی بلکہ فتنہ پرست عناصر کی سازش سے ہوئی۔ 2- دونوں لشکر اصل میں صلح و مفاہمت

چاہتے تھے، لیکن سازشی عناصر نے موقع پا کر فریقین میں تصادم کروایا۔ 3- حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ دونوں اجتہاد پر قائم تھے، دونوں کے مقاصد دینی تھے، دنیوی یا ذاتی نہیں۔ 4- امت کا صحیح عقیدہ یہی ہے کہ ان جنگوں کے واقعات میں زبان کو آلودہ کرنے سے بچایا جائے اور سب صحابہ کو عدول، معزز اور محترم سمجھا جائے۔

مصادر ومراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفاراً۔ 3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ۔ 4- تاریخ الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 1115۔ 5- الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج 3، ص 308۔ 6- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 260، ج 8، ص 237۔ 7- تاریخ الاسلام، امام ذہبی، دار الکتب العربی، بیروت، ج 3، ص 381۔ 8- الشفاء، قاضی عیاض، دار الفکر، ج 2، ص 303۔

قرآن کریم کونیزوں پر بلند کرنا اور اس کے اثرات

جنگ صفین کے طویل اور خونریز معرکے میں جب فتح قریب تھی اور حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی فوج غالب آرہی تھی، تو اچانک ایک ایسا نازک واقعہ پیش آیا جس نے تاریخ کا رخ بدل دیا۔ وہ یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے کچھ افراد نے قرآن کریم کے اوراق نیزوں پر بلند کر دیے۔ یہ منظر بظاہر قرآن سے وابستگی اور کتاب اللہ کے فیصلے پر آمادگی کا مظہر تھا، مگر حقیقت میں یہ ایک سیاسی چال اور جنگی

حکمت عملی تھی جس نے پورے معرکے کو صلح کی طرف موڑ دیا۔

قرآن کریم کو نیزوں پر بلند کرنے کا واقعہ: 1- تاریخ طبری (ج 4، ص 24) اور البدایہ والنہایہ (ج 7، ص 270) میں مذکور ہے کہ جب جنگ اپنے عروج پر پہنچی اور حضرت علیؓ کی فتح کے آثار نمایاں ہوئے تو عمرو بن العاص نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن کے نسخے نیزوں پر بلند کیے جائیں اور کہا جائے: بیننا و بینکم کتاب اللہ (ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کتاب اللہ کرے گی)۔ 2- یہ منظر دیکھتے ہی دونوں لشکروں میں ایک کیفیت رقت پیدا ہوئی۔ حضرت علیؓ کے لشکر کے بہت سے افراد نے کہا: ہم قرآن کے حکم کو کیسے رد کر سکتے ہیں؟ یہ تو کتاب اللہ کی طرف دعوت ہے۔

حضرت علیؓ کا موقف: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: یہ تو محض ایک چال ہے، کتاب اللہ کے نام پر فریب دیا جا رہا ہے۔ وہ لوگ قرآن کو سمجھ کر اور اس پر عمل کر کے فیصلہ نہیں چاہتے، بلکہ محض جنگ سے بچنا اور ہمیں مغلوب کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کر رہے ہیں (تاریخ طبری، ج 4، ص 25)۔ آپؓ بار بار فرماتے رہے کہ یہ ظاہری شعار ہے اور اصل مقصد جنگ کو طول دینا اور ہمارے غلبے کو روکنا ہے۔ مگر آپؓ کے لشکر میں موجود خوارج کے اثرات رکھنے والے گروہ نے اصرار کیا کہ قرآن کی طرف دعوت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکر کا موقف: حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء نے کہا: ہمیں خونریزی نہیں چاہیے، آؤ ہم کتاب اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں۔

یوں بظاہر وہ صلح اور قرآن کی حاکمیت کی دعوت دے رہے تھے، لیکن دراصل یہ اقدام جنگی دباؤ کو توڑنے اور ایک نئی راہ نکالنے کا ذریعہ تھا۔

آثارِ سلف کی روشنی میں: ابن کثیرؒ (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 271) نے فرمایا کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کرنا ایک مکر تھا، لیکن حضرت علیؓ کے لشکر میں ایسے لوگ تھے جنہوں نے اس کو خلوص کے ساتھ لیا اور کہا کہ ہمیں کتاب اللہ کے فیصلے کو قبول کرنا چاہیے۔ امام ابن تیمیہؒ (منہاج السنۃ، ج 4، ص 529) لکھتے ہیں: یہ واقعہ بتاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں قرآن کے احترام کا کتنا جذبہ تھا، یہاں تک کہ اگرچہ یہ ایک سیاسی چال تھی، مگر ان کے دلوں میں قرآن کا رعب ایسا تھا کہ وہ اس کی دعوت رد نہ کر سکے۔ امام احمدؒ کا قول بھی ملتا ہے کہ: یہ فیصلہ اللہ کی کتاب کی تعظیم کی وجہ سے قبول کیا گیا، ورنہ علیؓ بخوبی جانتے تھے کہ یہ صرف ایک حیلہ ہے۔

اثرات و نتائج: 1- جنگ کا اختتام: اس عمل نے جنگِ صفین کو اچانک روک دیا اور فیصلہ تحکیم یعنی ثالثی پر چھوڑ دیا گیا۔ 2- تحکیم کا آغاز: حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا گیا تاکہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلہ کریں۔ 3- خوارج کا خروج: حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود ایک گروہ نے بعد میں اسی تحکیم پر اعتراض کیا اور کہا: **الحکم إلا للہ** (فیصلہ صرف اللہ کا ہے)۔ یہی گروہ بعد میں خوارج کے نام سے امت کے لیے فتنہ بن گیا۔ 4- امت کے لیے سبق: اس واقعے نے واضح کیا کہ قرآن کے الفاظ کو سیاسی اور وقتی فائدے کے لیے استعمال کرنا

خطرناک نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ اصل مطلوب قرآن کے مطابق عدل و حق کا قیام ہے، نہ کہ محض نعرہ بازی۔

خلاصہ و نتائج: قرآن کو نیزوں پر بلند کرنا ایک جنگی چال تھی، مگر اس نے ایک بڑی جنگ کو روک دیا۔ حضرت علیؑ نے اس کی حقیقت پہچان لی تھی، مگر اپنے لشکر کے دباؤ اور قرآن کے احترام کی وجہ سے صلح پر راضی ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں تحکیم قائم ہوئی، لیکن اس تحکیم نے مزید اختلافات کو جنم دیا اور خوارج کا فتنہ ابھرا۔ امت کے لیے سبق یہ ہے کہ قرآن کو کبھی فریب یا سیاسی حربے کے طور پر استعمال نہ کیا جائے بلکہ اسے حقیقی رہنمائی کا سرچشمہ بنایا جائے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الفتن۔ 3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ۔ 4- تاریخ الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 2425۔ 5- اکامل فی التاریخ، ابن اثیر، دار الکتب العلمیہ، ج 3، ص 310۔ 6- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، ج 7، ص 270271۔ 7- منہاج السنۃ، ابن تیمیہ، محقق: محمد رشاد سالم، جامعۃ امام، ج 4، ص 529۔

حکمین کا فیصلہ اور نتائج

جنگِ صفین کے اختتام پر قرآنِ کریم کو نیزوں پر بلند کرنے کے واقعے نے ایک ایسا موڑ دیا جس کے نتیجے میں فریقین نے تحکیم (ثالثی) پر اتفاق کیا۔ اس مقصد

کے لیے دونوں لشکروں کی طرف سے حکمین منتخب کیے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ منتخب ہوئے۔ یہ فیصلہ بظاہر ایک مصالحت کی راہ تھا، لیکن عملی نتائج میں اس نے مزید فتنہ و انتشار کو جنم دیا۔

حکمین کا انتخاب: 1- حضرت علیؑ کا موقف: آپؑ نے ابتدا میں اس تحکیم کو قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ محض ایک چال ہے۔ لیکن لشکر میں موجود بعض افراد، خصوصاً وہ گروہ جو بعد میں خوارج کہلایا، کے شدید اصرار کے باعث آپؑ کو تحکیم پر راضی ہونا پڑا (تاریخ الطبری، ج 4، ص 27)۔ 2- حکمین کی تقرری: حضرت علیؑ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؑ کو مقرر فرمایا جو نہایت متقی، زاہد اور قرآن و سنت میں گہری بصیرت رکھنے والے صحابی تھے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو منتخب کیا جو فہم و فراست اور سیاسی بصیرت میں مشہور تھے۔

فیصلہ کی نوعیت: دونوں حکمین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلہ کریں گے۔ روایات میں آیا ہے کہ دونوں حضرات نے مختلف مقامات پر گفتگو کی، اور آخر میں یہ طے ہوا کہ حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو خلافت سے الگ کر دیا جائے اور امت کو آزادانہ طور پر نئے خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا جائے (الکامل فی التاريخ، ج 3، ص 314)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؑ نے نہایت اخلاص اور سادگی سے اعلان کیا کہ: میں علیؑ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں، تاکہ امت اپنا

خلیفہ خود چن لے۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا: ابو موسیٰؓ نے علیؓ کو معزول کر دیا، اور میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں؛ لیکن معاویہ کو باقی رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمانؓ کے خون کے ولی ہیں (تاریخ ابن خلدون، ج 2، ص 583)۔

اس فیصلہ کے اثرات: 1- لشکر علیؓ میں اضطراب: حضرت علیؓ کے لشکر میں یہ خبر پہنچی تو سخت اضطراب اور انتشار پیدا ہوا۔ بہت سے لوگوں نے کہا کہ ہمیں دھوکہ دیا گیا۔ 2- خوارج کا خروج: ایک گروہ نے نعرہ لگایا: لا إله إلا الله (فیصلہ صرف اللہ کا ہے)۔ یہی گروہ بعد میں منظم ہو کر خوارج کے نام سے ظاہر ہوا (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 281)۔ 3- سیاسی کشمکش: یہ فیصلہ امت میں مزید تفرقہ اور سیاسی کشمکش کا سبب بنا۔ حضرت علیؓ کو اپنے ہی لشکر کے بعض افراد کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور حضرت معاویہؓ کے لیے ایک نئی سیاسی قوت پیدا ہو گئی۔ 4- امت کا نقصان: اصل مقصد امت کو اتحاد کی طرف لانا تھا، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ امت مزید تقسیم ہو گئی اور خوارج جیسے گمراہ فرقے وجود میں آئے۔

آثار سلف کی روشنی میں: امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: تحکیم کا فیصلہ امت میں خیر و شر دونوں کا ذریعہ بنا۔ خیر یہ کہ خونریزی موقوف ہوئی، اور شر یہ کہ اس کے نتیجے میں خوارج جیسے گمراہ گروہ نے سر اٹھایا (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 282)۔ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا: حضرت علیؓ نے جس مجبوری کے تحت تحکیم قبول کی وہ قرآن کی تعظیم اور اپنے لشکر کے دباؤ کی وجہ سے تھی، ورنہ وہ حقیقت کو خوب جانتے تھے (منہاج السنۃ، ج 4، ص 532)۔ امام طحاویؒ نے عقیدہ میں تصریح کی ہے: ہم سب صحابہ کرامؓ کے بارے میں خیر ہی کہتے

ہیں، اور ان کے فیصلوں میں اجتہاد تھا۔ ان میں مصیب کو دواجر اور خطی کو ایک اجر ملے گا (العقیدۃ الطحاویۃ، ص 528، مکتبہ دار السلام)۔

خلاصہ و نتائج: 1- تحکیم کا مقصد امت میں اتحاد اور خونریزی کو روکنا تھا، لیکن نتیجہ مزید اختلاف اور فتنے کی صورت میں نکلا۔ 2- حضرت علیؑ اور معاویہؓ دونوں نے قرآن و سنت کے دائرے میں رہ کر فیصلہ قبول کیا، مگر اس کی تاویل و تعبیر میں اختلافات ہوئے۔ 3- حضرت ابو موسیٰؓ کی سادگی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی سیاسی بصیرت نے فیصلے کو یکطرفہ رنگ دے دیا۔ 4- اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ قرآن کو محض نعرے کے طور پر نہیں، بلکہ اس کے صحیح مفہوم اور عادلانہ نفاذ کے ساتھ اپنانا چاہیے۔ 5- صحابہ کرامؓ سب اجتہادی امور میں معذور اور محترم ہیں، ان کی نیتیں خالص تھیں، اختلاف محض اجتہاد کی بنیاد پر ہوا۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، دار طوق النجاة، 1422ھ۔ 3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ 4- تاریخ الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 2730۔ 5- الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، دار الکتب العلمیہ، ج 3، ص 314۔ 6- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، ج 7، ص 270282۔ 7- تاریخ ابن خلدون، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 2، ص 583۔ 8- منہاج السنۃ، ابن تیمیہ، محقق: محمد رشاد سالم، جامعۃ الامام، ج 4، ص 532۔ 9- العقیدۃ الطحاویۃ، مطبوعہ مکتبہ دار السلام، ص 528۔

حکمین کا تعین (تاریخ و آثارِ سلف کی روشنی میں)

جنگِ صفین کے ہنگامہ خیز واقعات کے بعد جب قرآنِ کریم کو نیزوں پر بلند کیا گیا اور دونوں لشکروں کے مابین مزید خونریزی کا خطرہ بڑھ گیا تو اہل عقل و دانش نے محسوس کیا کہ اس فتنے کا خاتمہ کسی متفقہ اور عادلانہ فیصلے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ یہی پس منظر تھا جس میں تحکیم (ثالثی) کا نظام وجود میں آیا۔ اہل عراق کی قیادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کر رہے تھے اور اہل شام کی قیادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ دونوں جانب صحابہ کرامؓ اور تابعین موجود تھے، اس لیے ہر فیصلہ بڑے غور و فکر اور احتیاط کے ساتھ لیا جاتا۔

اہل عراق کی رائے اور حضرت علیؓ کا موقف: اہل عراق کی ایک بڑی جماعت نے اس وقت حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا کہ خونریزی روکنے کے لیے حکمین مقرر کیے جائیں تاکہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں امت کے درمیان فیصلہ کریں۔ ابتداء میں حضرت علیؓ اس رائے کے حامی نہ تھے، کیونکہ آپؐ کا خیال تھا کہ فریقِ مخالف کی حجت پوری طرح واضح ہو چکی ہے اور حق و باطل میں کوئی ابہام نہیں رہا، لہذا اب فیصلہ تلوار ہی کے ذریعے ہونا چاہیے۔ لیکن جب آپؐ کے لشکر کے ایک بڑے حصے نے اصرار کیا اور

حالات اس قدر نازک ہو گئے کہ انکار کی صورت میں اپنے ہی سپاہیوں کے بغاوت کرنے کا اندیشہ پیدا ہوا، تو حضرت علیؑ نے بڑی بصیرت اور حلم کے ساتھ اس رائے کو قبول فرمایا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپؐ کا مقصد ذاتی غلبہ نہ تھا بلکہ امت کی وحدت اور خونِ مسلم کے تحفظ کو آپؐ ہمیشہ اولین ترجیح دیتے تھے۔

اہلِ شام کی رائے اور حضرت معاویہؓ کی تائید: اہلِ شام کی جانب سے بھی تحکیم کی تجویز کو قبول کیا گیا، کیونکہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء کا بنیادی مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے قصاص کے بغیر خلافت کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر فیصلہ اہلِ حل و عقد اور ماہرینِ دین کے سپرد کر دیا جائے تو ان کا موقف زیادہ مضبوطی کے ساتھ سامنے آئے گا۔ حضرت معاویہؓ کی تائید سے یہ عمل اور بھی معتبر ہو گیا اور دونوں فریق نے اپنے اپنے نمائندوں کے انتخاب کی طرف توجہ کی۔ اس پورے عمل میں ایک بار پھر صحابہ کرامؓ کی بصیرت اور شریعت سے وابستگی نمایاں نظر آتی ہے کہ انہوں نے تلوار کے بجائے کلامِ الہی اور حکمین کی ثالثی کو اختیار کیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا انتخاب: اہلِ عراق کی طرف سے حکم کے طور پر حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ کا نام سامنے آیا۔ وہ جلیل القدر صحابی، علم و حلم میں ممتاز، اور غیر جانب دار شخصیت کے حامل تھے۔ حضرت علیؑ نے اگرچہ شروع میں ان کے تقرر پر کچھ ہچکچاہٹ ظاہر کی، لیکن لشکر کے دباؤ کے پیش نظر آپؐ نے ان کی نامزدگی کو قبول کر لیا۔ اہلِ شام کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا گیا۔ وہ

اپنی فصاحت، تدبر اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے عرب میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ ان کی ذہانت اور حاضر جوابی عرب قبائل میں ضرب المثل تھی۔ اس طرح ایک طرف اہل عراق کے نرم دل اور متوازن ابو موسیٰؓ اور دوسری طرف اہل شام کے مدبر و سیاست داں عمروؓ آگئے۔

اس انتخاب پر اختلافات اور ان کے پس پردہ اسباب: یہاں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بعض مخلص ساتھی، خصوصاً صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت، حضرت ابو موسیٰؓ کے انتخاب سے خوش نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ابو موسیٰؓ اگرچہ بزرگ اور اہل علم ہیں، مگر سیاسی تدبر اور معاملہ فہمی میں عمرو بن العاصؓ کے ہم پلہ نہیں ہیں۔ اسی بنیاد پر بعض نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ یا حضرت مالک اشترؓ جیسے زیرک اور مدبر شخص کو ترجیح دینے کا مشورہ دیا۔ مگر لشکر کے اندرونی حالات، مختلف طبقات کی رائے اور خارجی دباؤ نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا کہ وہ ابو موسیٰؓ کو نامزد کریں۔ یہ اختلاف دراصل سیاسی بصیرت کے پیمانے پر تھا، نہ کہ کسی کی دینی عظمت یا اخلاص پر تنقیص۔ ان اختلافات کے پس پردہ اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ فتنہ پرست عناصر نے موقع سے فائدہ اٹھا کر صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ بعد میں یہی طبقہ خوارج کی صورت میں ظاہر ہوا، جنہوں نے لا حکم الا للہ کا نعرہ بلند کیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- حکمین کا تعین دراصل خونریزی روکنے اور امت کے درمیان صلح قائم کرنے کی ایک عظیم الشان کوشش تھی۔ 2- حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ

دونوں نے اس تجویز کو صرف اور صرف امت کی خیر خواہی کے پیش نظر قبول کیا۔
 3- حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا انتخاب ان کی علمیت، تقویٰ اور تدبیر کی وجہ سے ہوا، اگرچہ بعض نے ابو موسیٰؓ کی سیاسی کمزوری کی طرف اشارہ کیا۔
 4- اختلافات کا سبب ذاتی عناد یا دینی کمی نہیں بلکہ سیاسی حکمت عملی اور حالات کی نزاکت تھی۔ 5- یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ قرآن و سنت کو فیصلے کی بنیاد بنایا اور ذاتی مفاد یا دنیاوی غلبے کو کبھی اصل مقصد نہیں ٹھہرایا۔

مصادر ومراجع: 1- القرآن الکریم، سورة النساء، آیت 59؛ سورة الحجرات، آیت 9۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الصلح، حدیث: 2699۔ 3- تاریخ الطبری، دار التراث، بیروت، 1967، ج 5، ص 61-74۔ 4- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، 1407ھ، ج 7، ص 245-236۔ 5- الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1987، ج 3، ص 338-350۔ 6- العواصم من القواصم، ابن العربی المالکی، تحقیق: محب الدین الخطیب، دار الجلیل، بیروت، 1985، ص 135-150۔ 7- رد المختار علی الدر المختار، ابن عابدین شامی، دار الفکر، بیروت، 2000، ج 5، ص 468۔ 8- فتاویٰ ہندیہ، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، 1323ھ، ج 3، ص 412۔ 9- سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی، مؤسسة الرسالہ، بیروت، 1982، ج 2، ص 398-415۔ 10- الدولة الامویة، د- علی محمد الصلابی، دار ابن کثیر، دمشق، 2000، ص 212-225۔

فیصلہ کی کیفیت

جنگ صفین کے طویل اور صبر آزما مراحل کے بعد جب دونوں لشکروں میں فیصلہ کن کامیابی کے آثار نمودار ہونے لگے تو اہل شام کی طرف سے قرآن کریم کو نیزوں پر بلند کرنے کا عمل پیش آیا۔ اس اقدام نے جنگ کو روک دیا اور مسئلہ کو حکمین کے فیصلے پر چھوڑنے کی تجویز سامنے آئی۔ یہ ایک نازک موڑ تھا جس نے اسلامی تاریخ پر گہرے اثرات ڈالے۔ اب یہ سوال تھا کہ فیصلہ کس طرح ہوگا؟ اور کن بنیادوں پر کیا جائے گا؟

فیصلہ کی کیفیت: 1- اہل عراق و اہل شام کا معاہدہ: اہل عراق کی طرف سے حضرت علیؑ نے اس تجویز کو قبول فرمایا کہ قرآن کریم کو حکم بنایا جائے اور اہل شام بھی اس پر متفق ہوئے۔ اس موقع پر تحریری معاہدہ بھی لکھا گیا، جس میں طے کیا گیا کہ دونوں فریق اپنے نمائندے (حکمین) مقرر کریں گے، اور وہ قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلہ کریں گے۔

2- حکمین کی ذمہ داری اور دائرہ اختیار: حکمین کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ امت کے اتحاد، فتنہ کے خاتمہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح کی ایسی صورت نکالیں جو کتاب و سنت کے مطابق ہو۔ اگر وہ کسی ایک فریق کو برحق سمجھیں تو اس کے حق میں فیصلہ کریں۔ اگر مناسب ہو تو نئے خلیفہ کے انتخاب کی تجویز پیش کریں۔

3- فیصلے کے لیے جگہ اور وقت: یہ طے پایا کہ حکمین ایک مقررہ مقام پر بیٹھ کر

حالات کا جائزہ لیں گے۔ بعض روایات میں دومۃ الجندل کا ذکر ملتا ہے اور بعض میں اذرح کا۔ اس جگہ پر دونوں طرف سے معززین اور معتبرین کی موجودگی میں فیصلہ ہونا تھا۔

4- فیصلے کی کارروائی: حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے کئی نشستوں میں حالات پر غور کیا۔ انہوں نے امت کے اتحاد کو سب سے اہم مقصد قرار دیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ کا میلان اس طرف تھا کہ دونوں فریق اپنے اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو کر نئے خلیفہ کے انتخاب پر امت کو چھوڑ دیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کی رائے تھی کہ حضرت معاویہؓ کو خلافت کا حقدار قرار دیا جائے کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔

5- اختلاف اور اس کی کیفیت: ابتدا میں دونوں حکمین نے اس بات پر اتفاق ظاہر کیا کہ موجودہ اختلاف کو ختم کرنے کے لیے دونوں فریق دستبردار ہو جائیں اور نیا خلیفہ منتخب کیا جائے۔ لیکن اعلان کے وقت اختلاف پیدا ہوا: حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ نے اعلان کیا کہ میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو خلافت سے معزول کرتا ہوں تاکہ امت ایک نئے متفقہ خلیفہ کا انتخاب کرے۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا: ابو موسیٰ نے اپنے نمائندہ (حضرت علیؓ) کو معزول کیا اور میں اپنے نمائندہ (حضرت معاویہؓ) کو باقی رکھتا ہوں۔ یہ اعلان اہل عراق کے لیے صدمہ اور اہل شام کے لیے تقویت کا باعث بنا۔

خلاصہ و نتائج: حکمین کا فیصلہ امت میں اتحاد کے بجائے مزید اختلاف کا

سبب بنا۔ حضرت علیؓ اور اہل عراق نے اس فیصلے کو قبول نہ کیا کیونکہ اس میں اصل معاہدہ (کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ) پوری طرح قائم نہ رہا۔ اس موقع پر خوارج نے خروج کیا اور کہا کہ حکمیت ہی شرعاً درست نہیں، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے قرآن کو حکم ماننے کی اصل حقیقت کو غلط سمجھا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجتہادی اختلافات میں کبھی کبھی نتائج وہ نہیں نکلتے جو مقصود ہوتے ہیں، لیکن ان سب میں صحابہ کرامؓ کی نیت اور مقصود دین کی سر بلندی اور امت کی خیر خواہی ہی تھی۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی ﷺ 3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ۔ 4- ابن کثیر، البدلیۃ والنہالیۃ، دار البجر، ج 7، ص 267-275۔ 5- ابن جریر طبری، تاریخ الطبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج 4، ص 540-552۔ 6- علامہ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج 3، ص 338-345۔ 7- علامہ شامی، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر، ج 6، ص 370۔ 8- ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الکتب العلمیۃ، ج 9، ص 132۔

خوارج کا خروج

جنگِ صفین اور اس کے بعد کے حالات نے امتِ مسلمہ کو جس فتنہ و ابتلاء میں مبتلا کیا، ان میں سب سے زیادہ خطرناک اور دیر پا اثرات چھوڑنے والا فتنہ خوارج کا

تھا۔ یہ گروہ ابتدائی طور پر اہل عراق کی صفوں سے نکلا، لیکن رفتہ رفتہ ایک مستقل فکری و سیاسی تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ ان کا بنیادی نعرہ لا حکم الا للہ تھا، لیکن انہوں نے اس قرآنی اصول کو غلط مفہوم میں استعمال کرتے ہوئے امت میں انتشار برپا کیا۔

خوارج کے افکار کی بنیاد: لا حکم الا للہ: خوارج نے قرآن کریم کی اس آیت کو اپنا شعار بنایا: **إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ** (یوسف: 40)۔ حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ یہ آیت فی نفسہ ایک ابدی اور حق بات ہے، لیکن خوارج نے اس کے اطلاق میں افراط و تفریط سے کام لیا۔ ان کے نزدیک حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ دونوں نے حکمین کو تسلیم کر کے اللہ کے حکم کے بجائے انسانوں کے فیصلے کو مانا، لہذا وہ معاذ اللہ کافر ہو گئے۔ انہوں نے یہ اصول بنالیا کہ جو شخص ان کے مخصوص تصورِ عدل کو تسلیم نہ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ یوں ایک صحیح اور برحق آیت کو باطل تاویل کے ساتھ استعمال کر کے انہوں نے دین میں غلو اور امت میں افتراق کی بنیاد رکھی۔

حضرت علیؑ کے ساتھ مکالمہ: جب خوارج نے خروج کیا تو حضرت علیؑ نے ان کے ساتھ کئی بار علمی و نصیحتی گفتگو فرمائی۔ آپؑ نے ان سے فرمایا: کلمۃ حق اُرد بھا باطل یعنی یہ (لا حکم الا للہ) ایک حق بات ہے مگر اس سے باطل مقصود ہے۔ آپؑ نے وضاحت کی کہ حکمین کا تعین قرآن و سنت کے مطابق ہی تھا، کیونکہ قرآن میں بھی نزاعات کے حل کے لیے ثالث مقرر کرنے کا ذکر آیا ہے (النساء: 35)۔ آپؑ نے فرمایا کہ تمہارے اس باطل اعتراض کی وجہ سے نہ میں اپنے کئے ہوئے فیصلے سے پلٹ سکتا

ہوں اور نہ حق کو چھوڑ سکتا ہوں۔ آپؐ کی اس حکیمانہ گفتگو کے نتیجہ میں ایک بڑی تعداد تائب ہو کر واپس آ گئی، لیکن ایک گروہ اپنی ضد پر قائم رہا۔

ان کا پہلا خروج اور نہروان کا معرکہ: خوارج نے جب اپنی علیحدہ جماعت بنا لی تو ان کے فکری و عملی رویے کھل کر سامنے آنے لگے: وہ مسلمانوں کو کافر قرار دیتے اور ان کے خون و مال کو حلال سمجھتے۔ انہوں نے راستوں پر ڈاکے ڈالے اور معصوم مسلمانوں کو قتل کیا، حتیٰ کہ ایک حاملہ عورت کو بھی شہید کیا۔ ان کے ان جرائم کی وجہ سے حضرت علیؑ نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا اور نہروان کے مقام پر جنگ پیش آئی۔ حضرت علیؑ نے جنگ سے پہلے انہیں بار بار سمجھایا اور توبہ کی دعوت دی۔ جب وہ نہ مانے تو جنگ ہوئی اور خوارج کی بڑی تعداد ہلاک ہوئی، لیکن ان کے باقی ماندہ گروہ مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔

خوارج کے فتنہ کی تاریخی اور فکری جڑیں: خوارج کا فتنہ محض ایک وقتی سیاسی اختلاف نہ تھا، بلکہ اس کی فکری جڑیں کئی پہلوؤں سے مضبوط ہو گئیں: 1- غلو اور افراط: انہوں نے دین میں شدت اور تنگ نظری کو اصول بنالیا۔ 2- تکفیر مسلمین: جس کسی نے ان کے افکار سے اختلاف کیا، وہ اس کی تکفیر کرتے۔ 3- ظاہریت و تحجر: وہ دین کے گہرے معانی اور مقاصد کو نظر انداز کر کے صرف ظاہری الفاظ پر اصرار کرتے۔ 4- بغاوت و شورش: وہ ہمیشہ خلافت اسلامیہ کے نظم کے خلاف بغاوت کرتے رہے۔ یہی افکار بعد کی صدیوں میں مختلف شدت پسند گروہوں کی بنیاد بنے اور امت کو بار بار نقصان پہنچاتے رہے۔

خلاصہ و نتائج: خوارج کا خروج دراصل ایک غلط فہمی اور باطل تاویل پر مبنی تھا۔ حضرت علیؑ نے حکمت، صبر اور نصیحت کے ذریعے انہیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر جب وہ باز نہ آئے تو قتال کیا گیا۔ خوارج کا نعرہ قرآن سے ماخوذ تھا مگر اس کا اطلاق گمراہ کن تھا، جو امت میں فتنہ و انتشار کا سبب بنا۔ اس فتنہ نے واضح کیا کہ دین میں غلو اور تکفیر کا راستہ ہمیشہ امت کے لیے خطرناک اور تباہ کن ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب استتلاب المرتدین، باب قتل الخوارج والملاحدين۔ 3- صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج وصفاتهم۔ 4- ابن جریر طبری، تاریخ الطبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 4، ص 558-570۔ 5- ابن کثیر، البدلیۃ والنہلیۃ، دار البیروت، ج 7، ص 289-281۔ 6- علامہ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 3، ص 358-350۔ 7- ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الکتب العلمیہ، ج 9، ص 132-8۔ علامہ شامی، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر، ج 6، ص 371۔

فقہی و اصولی مباحث

(حکمیت و ثالثی کا شرعی جواز، تحکیم پر محدثین و فقہاء کا موقف، اور خوارج

کے نظریات کا رد)

اسلام نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے کامل و جامع ہدایات دی

ہیں۔ قرآن و سنت میں جہاں عدالت و قضا کے اصول بیان کیے گئے ہیں وہیں نزاعات کے حل کے لیے تحکیم یعنی ثالثی اور حکم مقرر کرنے کی بھی مشروعیت ملتی ہے۔ تاریخ اسلام میں جنگِ صفین کے موقع پر حکمیت کا واقعہ پیش آیا، جس پر خوارج نے سخت اعتراضات کیے۔ لیکن فقہائے اسلام اور محدثین نے اس واقعے کو ایک اجتہادی مسئلہ قرار دیا اور خوارج کی فاسد تاویلات کو قرآن و سنت کی روشنی میں رد کیا۔

1- حکمیت اور ثالثی کا شرعی جواز فقہ حنفی و اقوال سلف کی روشنی میں:

(الف) قرآن سے استدلال: قرآن کریم نے مختلف مواقع پر نزاعات کے حل کے لیے ثالث مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔ خصوصاً میاں بیوی کے جھگڑے کی صورت میں فرمایا: فَاْبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا (النساء: 35)۔ ترجمہ: پس اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان پھوٹ کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے بھیجو، اگر وہ اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔ یہ آیت تحکیم کی سب سے صریح دلیل ہے۔ اگر معاملہ گھریلو سطح پر ثالثی کے ذریعے حل ہو سکتا ہے تو اجتماعی اور سیاسی تنازعات میں بدرجہ اولیٰ یہ طریقہ جائز ہوگا۔ (ب) سنتِ نبوی ﷺ سے استدلال: رسول اللہ ﷺ نے متعدد مواقع پر تحکیم کا استعمال فرمایا: 1- حضرت سعد بن معاذؓ کو بنی قریظہ کے معاملہ میں حکم بنایا گیا اور ان کے فیصلے کو حکم اللہ قرار دیا۔ (1)۔ 2- مختلف صحابہ کرامؓ کے درمیان مالی یا ذاتی نزاعات میں آپ ﷺ نے ثالث مقرر

فرمایا۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ تحکیم نہ صرف جائز بلکہ ایک مسنون طریقہ ہے۔
(ج) فقہائے احناف کا موقف: فقہائے احناف نے تحکیم کے جواز پر تفصیلی بحث کی ہے: امام سرخسیؒ (المبسوط) میں فرماتے ہیں: والتحکیم جائز عندنا، إذا رضی الخصمان بحکم رجل یصلح لذلک (2)۔ یعنی جب دونوں فریق کسی اہل شخص کو حکم ماننے پر راضی ہو جائیں تو یہ جائز ہے۔ علامہ کاسانی (بدائع الصنائع) میں لکھتے ہیں: التحکیم نوع من التوکیل، وهو جائز فیما یجوز فیہ التوکیل (3)۔ یعنی تحکیم اصل میں وکالت کی ایک شاخ ہے اور اسی کے اصول پر قائم ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی تحکیم کا ذکر آیا ہے کہ فریقین باہمی رضامندی سے کسی حکم کا فیصلہ قبول کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق ہو (4)۔ یہ تمام تصریحات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ فقہ حنفی میں تحکیم جائز اور معتبر ہے۔

2- تحکیم کے بارے میں محدثین و فقہاء کا موقف: (الف) محدثین کا موقف: محدثین کرام نے جنگِ صفین کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن تحکیم کے اصول پر نکیر نہیں کی۔ امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: إنما وقع التحکیم برضا الفریقین، وهو أصل فی جوازہ (5)۔ یعنی تحکیم دونوں فریقوں کی رضا سے ہوا اور یہی اس کے جواز کی اصل ہے۔ (ب) فقہاء کا موقف: تمام ائمہ مجتہدین نے تحکیم کے جواز کو تسلیم کیا: امام شافعیؒ فرماتے ہیں: فإذا اصطالحا علی حکم یحکم بینہما، نفذ حکمہ إذا وافق حکم القاضی (6)۔ یعنی تحکیم جائز ہے

بشرطیکہ وہ شریعت کے عمومی اصول اور قاضی کے حکم کے موافق ہو۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے ہاں بھی تحکیم جائز ہے، اور اس کو ایک معتبر صلیحی طریقہ سمجھا گیا ہے۔

3- خوارج کے نظریات کا رد قرآن و سنت سے: (الف) خوارج کا

اعتراض: خوارج نے تحکیم کو کفر قرار دیتے ہوئے لا حکم الا للہ کا نعرہ بلند کیا۔ ان کے نزدیک اللہ کے حکم کے علاوہ کسی بشر کے فیصلے کو ماننا شرک تھا۔ (ب) قرآن سے رد: یہ نعرہ بظاہر حق تھا مگر ان کی مراد باطل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں تحکیم کا حکم دیا ہے (النساء: 35)۔ اگر خوارج کا دعویٰ درست ہوتا تو یہ آیت نعوذ باللہ لغو قرار پاتی۔ (ج) سنت سے رد: رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم مقرر کیا اور ان کے فیصلے کو حکم اللہ قرار دیا۔ (1)۔ اس سے واضح ہے کہ بشر کے ذریعے فیصلے کو اللہ کے حکم کے خلاف نہیں سمجھا گیا بلکہ اس کا ایک ذریعہ مانا گیا۔ (د) اقوالِ سلف سے رد: حضرت علیؓ نے خوارج کے اس باطل دعوے پر فرمایا: کلمۃ حق اُريدَ بها باطل (7)۔ یعنی یہ کلمہ بظاہر حق ہے مگر اس سے باطل مراد لیا گیا۔ اسی طرح ائمہ سلف نے بھی وضاحت کی کہ تحکیم شریعت کے عین مطابق ہے، اس لیے خوارج کا نظریہ باطل اور گمراہ کن ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1- تحکیم و ثالثی قرآن و سنت سے ثابت اور اجماعی مسئلہ ہے۔

2- فقہائے احناف نے اس کو جائز بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن قرار دیا ہے۔ 3- محدثین

و فقہاء نے جنگِ صفین کے واقعے کو اجتہادی مسئلہ قرار دیا اور کسی بھی صحابی پر نکیر نہیں کی۔

4- خوارج کا نظریہ قرآن و سنت کی صریح نصوص کے خلاف تھا، اس لیے امت نے اس کا

رد کیا۔ 5- اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام سب عادل و محترم ہیں، ان کے اجتہادات میں خطا کی نسبت بھی ادب و احتیاط کے ساتھ کی جاتی ہے۔

مصادر و مراجع: 1- صحیح البخاری، دار طوق النجاة، ج 5، ص 129-2- صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، ج 3، ص 1387-3- سنن ابی داود، دار الرسالة العالمیة، ج 3، ص 300-4- المبسوط، للسرخسی، دار المعرفة، بیروت، ج 16، ص 82-5- بدائع الصنائع، کاسانی، دار الکتب العلمیة، ج 7، ص 6-6- فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، دار المعرفة، بیروت، ج 13، ص 61-7- الام، امام شافعی، دار المعرفة، بیروت، ج 6، ص 209-8- فتاویٰ عالمگیری، دار الفکر، بیروت، ج 3، ص 412-9- نهج البلاغه، تحقیق صحیحی صالح، بیروت، ص 200۔

معاصر تناظر

(امت میں اختلافات کے حل میں ثالثی و حکمین کی افادیت اور خوارج کے نظریات کی تجدیدِ ظہور اس کا تذکرہ)

اسلام اپنی اصل کے اعتبار سے امن و عدل اور اصلاح و اتحاد کا دین ہے۔ نزاعات اور اختلافات انسانی معاشرت کا فطری حصہ ہیں، لیکن ان کو سلجھانے کے لیے شریعتِ مطہرہ نے ہمیشہ حکمت، تدبر اور عدل کے اصول قائم کیے ہیں۔ تاریخ اسلام میں جنگِ صفین کا واقعہ اس حقیقت کی ایک زندہ مثال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے امت کے درمیان مزید خونریزی سے بچنے کے لیے حکمیت کا طریقہ اختیار کیا۔ آج کے معاصر تناظر میں بھی امت مسلمہ کو داخلی و خارجی سطح پر بے شمار اختلافات اور انتشار کا سامنا ہے، جن کے حل کے لیے ثالثی اور تحکیم کا اصول نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اسی کے بالمقابل خوارج کے فتنہ کا تجدیدی ظہور بھی وقتاً فوقتاً سامنے آتا رہا ہے، جس کا تدارک قرآن و سنت اور اسلاف کے طریقہ کار کی روشنی میں ناگزیر ہے۔

1- امت میں اختلافات کو حل کرنے میں ثالثی و حکمین کی افادیت: (الف)

قرآن و سنت کی روشنی میں: اسلام نے باہمی نزاعات کے حل کے لیے ہمیشہ ثالثی کو ایک معقول و مشروع طریقہ قرار دیا۔ قرآن کریم میں میاں بیوی کے اختلاف کے حل کے لیے فرمایا گیا: فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا (النساء: 35)۔ یہ اصول گھریلو سطح پر ہو یا سیاسی و اجتماعی سطح پر، دونوں کے لیے بنیادی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کو بنو قریظہ کے فیصلے میں حکم مقرر کیا، اور ان کا فیصلہ اللہ کے حکم کے موافق قرار پایا (صحیح البخاری)۔ یہ واقعات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ شریعت میں ثالثی کو جھگڑوں کے حل کے لیے ایک قوی اور جائز طریقہ مانا گیا ہے۔ (ب) معاصر دنیا میں اس کی ضرورت: آج امت مسلمہ کو فرقہ واریت، سیاسی انتشار، گروہی اختلافات اور قومی و بین الاقوامی مسائل کا سامنا ہے۔ ایسے حالات میں: 1- ثالثی داخلی خانہ جنگیوں کو روکنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ 2- مسلم ممالک کے درمیان تنازعات میں غیر مسلم طاقتوں کی مداخلت کے

بجائے اہل علم، اہل حل و عقد اور معتبر اداروں کے ذریعے تحکیم کا راستہ زیادہ موزوں ہے۔ 3- اجتماعی و فقہی اختلافات میں مجمع الفقہ الاسلامی اور دارالافتاء جیسے ادارے اسی اصول پر کام کر رہے ہیں۔ (ج) فقہ حنفی کا اصولی موقف: فقہ حنفی کے نزدیک تحکیم ایک معتبر اور نافذ العمل طریقہ ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کے اصول کے مطابق ہو۔ امام سرخسیؒ اور علامہ کاسانیؒ کی تصریحات کے مطابق تحکیم وکالت کی ایک صورت ہے اور یہ جائز و مشروع ہے۔ اس اصول کو اگر آج کی اجتماعی اور بین الاقوامی سطح پر بروئے کار لایا جائے تو امت میں امن و وحدت کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

2- خوارج کے نظریات کی تجدید ظہور اور اس کا تدارک: (الف) خوارج

کے نظریات کی تجدیدی شکلیں: تاریخ گواہ ہے کہ خوارج کا فتنہ کبھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوا بلکہ مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے ابھرتا رہا ہے۔ ان کے بنیادی افکار یہ تھے:

1- لا حکم الا للہ کا غلط فہم نعرہ۔ 2- مسلمانوں کے خون کو مباح سمجھنا۔ 3- معمولی گناہوں پر بھی تکفیر۔ 4- ریاستی نظم و قیادت کی بغاوت۔ معاصر دور میں یہی افکار مختلف شدت پسند اور تکفیری جماعتوں میں نظر آتے ہیں۔ (ب) قرآن و سنت کی روشنی میں تدارک:

قرآن کریم نے واضح فرمایا: **وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا (الحجرات: 9)**۔ یعنی اگر دو گروہ مومنوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ یہ آیت اس بات کا رد ہے کہ کسی نزاع کی بنیاد پر دوسرے گروہ کو کافر قرار دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **مَنْ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِر فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا**

(صحیح مسلم، کتاب الایمان)۔ یعنی اگر کوئی اپنے بھائی کو کافر کہے تو یہ بات انہی دونوں میں سے کسی پر لڑتی ہے۔ یہ حدیث خوارج کے تکفیری رویے کی کھلی تردید ہے۔ (ج) اقوال سلف کی روشنی میں: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کے بارے میں فرمایا: کلمۃ حق اريد بها باطل (نہج البلاغہ)۔ یعنی ان کا نعرہ بظاہر حق ہے لیکن اس سے باطل مراد لیا گیا۔ سلف صالحین ہمیشہ امت کو خوارج کے گمراہ کن افکار سے بچنے کی تلقین کرتے رہے۔ (د) معاصر علماء کی آراء: عصر حاضر کے معتبر علماء (جیسے شیخ یوسف القرضاوی، شیخ صالح الفوزان، اور مفتی تقی عثمانی) نے شدت پسندی اور تکفیریت کو خوارج کی نئی صورت قرار دیتے ہوئے اس کا مقابلہ اعتدال، علم اور صحیح دینی فہم کے ذریعے کرنے پر زور دیا ہے۔ خلاصہ و نتائج: 1- تحکیم و تالشی قرآن و سنت سے ثابت اور امت کے مسائل حل کرنے کا نہایت کارآمد طریقہ ہے۔ 2- معاصر دنیا میں امت مسلمہ کے داخلی و خارجی نزاعات کو حل کرنے کے لیے تالشی کی راہ اپنانا ناگزیر ہے۔ 3- خوارج کے افکار آج بھی مختلف شدت پسند جماعتوں میں زندہ ہیں، ان کا مقابلہ علمی بصیرت، عدل و حکمت اور سلف صالحین کی راہ پر چل کر ہی ممکن ہے۔ 4- امت کو چاہیے کہ وہ اپنے اختلافات کو باہمی گفت و شنید اور تحکیم کے ذریعے حل کرے تاکہ امت کے اتحاد کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، دار طوق النجاة، ج 5، ص 129۔ 3- صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، ج 3، ص 1387۔ 4- سنن ابی

داود، دارالرسالۃ العالمیہ، ج 3، ص 300-5- المہسوط، للسرخسی، دارالمعرفۃ، بیروت،
 ج 16، ص 82-6- بدائع الصنائع، کاسانی، دارالکتب العلمیہ، ج 7، ص 6-7- فتح
 الباری، ابن حجر عسقلانی، دارالمعرفۃ، بیروت، ج 13، ص 61-8- الأم، امام شافعی،
 دارالمعرفۃ، بیروت، ج 6، ص 209-9- نہج البلاغہ، تحقیق صحیحی صالح، بیروت، ص
 200-10- فتاویٰ عالمگیری، دارالفکر، بیروت، ج 3، ص 412-11- معاصر علماء کی
 تصریحات (یوسف القرضاوی، الصحوة الاسلامیہ، ص 144؛ تفتی عثمانی، عصر حاضر میں
 دین کی تفہیم، ص 212؛ صالح الفوزان، کتاب التوحید شرح، ج 1، ص 89)۔

فتنہ کی پیشینگوئی

(قرآن و حدیث کی روشنی میں)

جنگِ جمل و صفین اسلامی تاریخ کے وہ نازک ابواب ہیں جو ہمیشہ امت کے
 لیے غور و فکر اور بصیرت کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ ان واقعات کا تجزیہ اگر قرآن و
 حدیث اور اقوالِ سلف کی روشنی میں کیا جائے تو حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ یہ
 واقعات کسی ذاتی مفاد یا دنیاوی لالچ کی بنا پر نہ تھے بلکہ اجتہادی مسائل میں رائے کے
 اختلاف کی بنیاد پر تھے۔ تمام صحابہ کرامؓ کی نیت خیر پر مبنی تھی، اور رسول اللہ ﷺ نے
 ایسے فتنوں کے وقوع کی پہلے ہی خبر دے دی تھی۔

- 1- فتنوں کی پیشین گوئیاں (احادیثِ نبویہ): نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو مستقبل میں پیش آنے والے فتنوں کی بابت واضح طور پر آگاہ فرمادیا تھا۔ 1- حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں: کان الناس یسألون رسول اللہ ﷺ عن الخیر وکنت أسأله عن الشر مخافة أن یدرکنی (صحیح البخاری، کتاب الفتن)۔ یعنی صحابہ خیر کے بارے میں پوچھتے، اور میں شر و فتن کے بارے میں سوال کرتا تا کہ اس سے بچ سکوں۔ 2- حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ستکون فتن، القاعد فیہا خیر من القائم، والقائم فیہا خیر من الماشی (صحیح البخاری، کتاب الفتن)۔ یعنی آئندہ ایسے فتنے ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا۔ 3- ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (صحیح البخاری، کتاب العلم)۔ یعنی میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو آئندہ پیش آنے والے سیاسی و اجتماعی فتنوں سے خبردار کیا تھا۔ یہ پیشین گوئیاں جنگِ جمل و صفین کے واقعات میں اپنی حقیقت کے ساتھ ظاہر ہوئیں۔
- 2- دونوں فریقین کی نیتیں خیر پر مبنی: اہل سنت والجماعت کا اصول ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ عادل و محترم ہیں۔ ان کے اختلافات اجتہادی تھے، اور ہر فریق کی نیت خیر پر مبنی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہ و زبیرؓ کا مقصد امت میں امن قائم کرنا اور قاتلین عثمانؓ کو سزا دلوانا تھا۔ حضرت علیؓ کا مقصد امت کو انتشار سے بچانا اور پہلے امن و

نظام کو بحال کرنا تھا۔ یہ دونوں موقف اپنی جگہ درست نیت اور خیر خواہی پر مبنی تھے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: **وَكَانَتْ عَائِشَةُ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَمَنْ مَعَهُمْ يَظُنُّونَ أَنَّ فِي ذَلِكَ مَصْلَحَةً، وَالَّذِينَ كَانُوا مَعَ عَلِيٍّ يَرَوْنَ أَنَّ الْمَصْلَحَةَ فِي غَيْرِ ذَلِكَ (منہاج السنہ، ج 4، ص 316، دار المعارف)۔** یعنی حضرت عائشہ وطلحہ و زبیر کو اپنے اقدام میں مصلحت نظر آتی تھی، اور حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو دوسری صورت میں مصلحت دکھائی دیتی تھی۔

3- اجتہادی خطا پر معافی: شریعت کے اصول کے مطابق مجتہد اگر اجتہاد میں خطا کرے تو بھی عند اللہ ماخوذ نہیں ہوتا بلکہ اسے ایک اجر ملتا ہے، اور اگر درست ہو تو دو اجر ملتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)۔** یہ اصول ان اجتہادی اختلافات پر پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔ امام نوویؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **هَذَا الْحَدِيثُ أَصْلٌ عَظِيمٌ فِي اجْتِهَادِ الْعُلَمَاءِ، وَأَنَّ الْمَخْطِئَ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ (شرح النووی علی مسلم، ج 12، ص 15، دار إحياء التراث)۔** یعنی یہ حدیث اس بات کی عظیم دلیل ہے کہ مجتہد خطا پر گناہگار نہیں۔ پس جنگِ جمل و صفین کے واقعات میں بھی دونوں فریقین مجتہد تھے، ان میں سے جو حق پر تھے انہیں دو اجر ملے، اور جو خطا پر تھے وہ بھی اجر سے محروم نہ ہوئے۔

خلاصہ و نتائج: 1- نبی کریم ﷺ نے امت کو فتنوں کے بارے میں پہلے ہی

آگاہ کر دیا تھا، لہذا ان واقعات کا ظہور آپ ﷺ کی پیشین گوئیوں کا ظہور تھا۔
 2- حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ و دیگر صحابہؓ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ اجتہادی تھا، ذاتی مفاد سے خالی اور خیر خواہی پر مبنی تھا۔ 3- اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ عادل، متقی اور محترم ہیں؛ ان پر تنقیص یا طعن درست نہیں۔ 4- اجتہادی خطا پر معافی ہے، اور خطا کرنے والے بھی عند اللہ اجر کے مستحق ہیں۔ 5- امت کو چاہیے کہ ان واقعات کو فتنے کی پیشین گوئیوں کی تکمیل سمجھے، مگر صحابہ کی عدالت و عظمت پر ایمان کامل رکھے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، دار طوق النجاة، ج 8، ص 73 (کتاب الفتن)۔ 3- صحیح البخاری، دار طوق النجاة، ج 1، ص 30 (کتاب العلم)۔ 4- صحیح مسلم، دار إحياء التراث العربی، ج 3، ص 1479 (کتاب الایمان)۔ 5- شرح النووی علی مسلم، دار إحياء التراث العربی، ج 12، ص 15۔ 6- منہاج السنۃ، ابن تیمیہ، دار المعارف، ج 4، ص 316۔ 7- تاریخ الطبری، دار التراث، ج 4، ص 450۔ 8- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، ج 7، ص 238۔

اجماع صحابہ و تابعین

اسلامی تاریخ کے حساس ترین ابواب میں جنگِ جمل و صفین کا ذکر نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ فتنہ ہے جس نے امتِ مسلمہ کو شدید آزمائش میں مبتلا کیا۔ ان

واقعات کے بیان اور تجزیہ میں ایک طرف علمی احتیاط کی ضرورت ہے، دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و تقدس کو ملحوظ رکھنا ناگزیر ہے۔ اہل حق کا اجماعی موقف یہی ہے کہ ان جنگوں میں دونوں فریقین کے مقاصد خیر اور اجتہادی کوششیں تھیں، اگرچہ نتیجہ امت کے لیے ابتلاء اور امتحان بنا۔

صحابہ کے اقوال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ان واقعات کے بعد جو موقف سامنے آیا، اس میں چند نکات پر سب کا اجماع ہے: 1- تمام صحابہ کرام کا احترام واجب ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ان جھگڑوں میں نہ پڑے، ہمارا خون اور دین سلامت رہا، لیکن جن صحابہ نے اجتہاد کیا وہ ہم سے بہتر اور افضل تھے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 236)۔ 2- اجتہادی خطا پر معذرت اور اجر: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے: ہمارے اور ہمارے بھائیوں (اہل جمل و صفین) کے درمیان معاملہ وہی ہے جو اجتہاد کا ہے۔ ہم میں سے جس نے درستگی پائی، اس کے لیے دواجر ہیں، اور جس نے خطا کی، اس کے لیے ایک اجر ہے (ابن ابی شیبہ، المصنف، ج 15، ص 302)۔ 3- توبہ اور رجوع کا اعلان: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی خلافت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اپنے خطبات میں اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم نے اجتہاد کیا اور اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ فرمائے گا (ابن عساکر، تاریخ دمشق، ج 59، ص 207)۔

تابعین کا موقف: تابعین نے ان واقعات پر جو کلام کیا وہ نہایت محتاط اور

ادب سے بھر پور تھا۔ ان میں سے چند ائمہ کے اقوال درج ذیل ہیں: 1- امام حسن بصری رحمہ اللہ: آپ فرمایا کرتے تھے: یہ فتنہ ایک ایسی بلا تھی جس میں صحابہ مبتلا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزشوں کو بخش دیا، پس تم ان کے بارے میں اپنی زبان کو آلودہ نہ کرو (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 7، ص 162)۔ 2- سعید بن مسیب رحمہ اللہ: آپ نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ مجھے جنگِ جمل و صفین کے فیصلے کے بارے میں کچھ کہنا پڑے، کیونکہ یہ وہ معاملہ ہے جس میں سبقت یافتہ صحابہ موجود تھے (ابن عبد البر، التمهید، ج 8، ص 303)۔ 3- امام زہری رحمہ اللہ: آپ نے فرمایا: یہ سب واقعات اجتہاد کے باب میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف فرما دیا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 129)۔

تبع تابعین کا تجزیہ: تبع تابعین کے اکابر علماء نے بھی یہی راہ اپنائی کہ ان واقعات میں کسی صحابی کی تنقیص یا الزام سے اجتناب کیا جائے۔ 1- امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ان جنگوں میں صحابہ کرام کے بارے میں سکوت اختیار کرو، کیونکہ وہ سب اجتہاد کرنے والے اور دین کے محسن تھے (قاضی عیاض، الشفاء، ج 2، ص 53)۔ 2- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: آپ کا موقف تھا کہ: ہم اہل جمل و صفین کے بارے میں زبان بند رکھتے ہیں، ان میں سے ہر ایک مجتہد تھا (ابو التوکل، مناقب الامام الاعظم، ج 1، ص 178)۔ 3- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا: یہ سب امور اجتہادی تھے، ہم سب صحابہ کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں اور ان کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں (ابن قدامہ، لمعة الاعتقاد، ص 29)۔

خلاصہ و نتائج: 1- جنگِ جمل و صفین اسلام کی تاریخ کا عظیم ابتلاء تھا۔

2- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب اجتہادی میدان میں کوشاں تھے، ان کی نیت خیر تھی۔
 3- اجتہادی خطا پر سب کو اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف فرمایا۔ 4- تابعین و تبع تابعین نے اجماعی طور پر صحابہ کے احترام اور ان کے بارے میں سکوت کی تعلیم دی۔ 5- مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان واقعات کو فتنہ و آزمائش سمجھیں اور صحابہ کرام کی عظمت پر ایمان رکھیں۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، دار طوق النجاة، ج 4، ص 154۔ 3- صحیح مسلم، دار احیاء التراث، ج 8، ص 331۔ 4- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار الحجر، ج 7، ص 236؛ ج 8، ص 129۔ 5- ابن ابی شیبہ، المصنف، مکتب الرشید، ج 15، ص 302۔ 6- ابن عساکر، تاریخ دمشق، دار الفکر، ج 59، ص 207۔ 7- ابن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، ج 7، ص 162۔ 8- ابن عبد البر، التمهید، دار الکتب العلمیہ، ج 8، ص 303۔ 9- قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفی، دار الکتب العلمیہ، ج 2، ص 53۔ 10- ابوالتوکل، مناقب الامام الاعظم، مکتبہ رشیدیہ، ج 1، ص 178۔ 12- ابن قدامہ، لمعة الاعتقاد، مکتبہ سلفیہ، ص 29۔

ائمہ اربعہ کا موقف

جنگِ جمل و صفین جیسے تاریخی فتنوں کے سلسلے میں امت کے اہل علم اور فقہاء کے اقوال نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان فتنوں کی صحیح تعبیر اور اسباب و نتائج کو سمجھنے میں

سب سے زیادہ رہنمائی ہمیں ان ائمہ مجتہدین سے ملتی ہے جن کی فقہ اور فکر پر امت کا اعتماد ہے۔ ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے ان واقعات کے بارے میں نہایت ادب اور احتیاط کے ساتھ اپنے موقف بیان کیے ہیں۔ ان حضرات کا متفقہ موقف یہی ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہادی دائرے میں کوشاں تھے، ان کے بارے میں زبان کھولنے سے اجتناب واجب ہے، اور سب کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے نہایت وضاحت کے ساتھ فرمایا: ہم اہل جمل و صفین کے بارے میں زبان بند رکھتے ہیں، وہ سب مجتہد تھے۔ اگر انہوں نے صحیحیت کو پایا تو ان کے لیے دواجر ہیں اور اگر خطا کی تو ان کے لیے بھی ایک اجر ہے (مناقب الامام الاعظم للموفق المکی، ج 1، ص 178)۔ نیز آپ نے اس اصولی قاعدے پر زور دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک عادل، متقی اور دین کا محسن ہے۔ ان پر تنقید یا الزام دین کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا کلام: امام دار الجرح، مالک بن انس رحمہ اللہ کا قول ہے: ان جنگوں میں صحابہ کرام کے بارے میں زبان بند رکھو، وہ سب ہمارے لیے امام، مقتدا اور محترم ہیں (الشفاء للفاضل عیاض، ج 2، ص 53)۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صحابہ کے اختلافات میں گہرائی تک جانا دین کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس لیے آپ نے سکوت اور ادب کو اختیار کرنے کی وصیت کی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف: امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ان جنگوں میں شریک صحابہ کرام سب کے سب اجتہاد کرنے والے تھے، ہمیں چاہیے کہ ہم سب کے لیے استغفار کریں اور زبان کو ان کی شان میں آلودہ نہ کریں (الام، دارالمعرفۃ، ج 4، ص 453)۔ آپ نے اس اصولی بات کو بھی واضح کیا کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی فتنے یا فساد کا طالب نہ تھا، سب کا مقصد خیر اور عدل تھا، اگرچہ نتائج مختلف ہوئے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بڑے واضح الفاظ میں کہا: یہ سب واقعات اجتہادی تھے، ہم ان سب صحابہ کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں اور ان سب کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں (لمعة الاعتقاد، ص 29)۔ امام احمد رحمہ اللہ نے مزید فرمایا کہ: جو شخص ان جنگوں کے بارے میں زبان درازی کرے اور صحابہ کی تنقیص کرے، وہ اہل سنت کی جماعت سے خارج ہے (السیل للخلال، ج 2، ص 434)۔

خلاصہ و نتائج: 1- ائمہ اربعہ کا متفقہ موقف یہ ہے کہ جنگ جمل و صفین اجتہادی مسائل تھے۔ 2- سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محترم، معزز اور دین کے محسن ہیں۔ 3- ان جنگوں کے بارے میں زبان درازی سے اجتناب واجب ہے۔ 4- مسلمانوں پر لازم ہے کہ سب کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کریں۔ 5- ائمہ اربعہ نے سکوت، ادب اور اجماعی احترام کو اپنانے کی تعلیم دی۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، دار طوق النجاة، ج 5، ص 22۔ 3- صحیح مسلم، دار احیاء التراث، ج 8، ص 331۔ 4- موفق المکی، مناقب

الامام الاعظم، مکتبہ رشیدیہ، ج 1، ص 178-5- قاضی عیاض، الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، دارالکتب العلمیہ، ج 2، ص 53-6- امام شافعی، الام، دارالمعرفۃ، ج 4، ص 453-7- ابن قدامہ، لمعة الاعتقاد، مکتبہ سلفیہ، ص 29-8- اللہ، السنۃ، مکتب المعارف، ج 2، ص 434۔

محمد ثین و فقہاء کا تجزیہ

فتنہ جمل و صفین پر محمد ثین اور فقہاء کرام کے تجزیات علمی دنیا میں نہایت اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان اکابر نے اپنے دور کے حالات اور نصوص شرعیہ کی روشنی میں ایسے اصول قائم کیے جن سے بعد کے اہل علم کو راہنمائی میسر آئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں تبویب کے ذریعے نہایت عمیق اشارے کیے، امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے شرح و توضیح میں اہل سنت کا متوازن موقف واضح فرمایا، جبکہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عدل و توازن کے ساتھ اس قضیے کو دیکھنے کی تعلیم دی۔ ان تمام ائمہ کا متفقہ زاویہ یہی ہے کہ ان جنگوں میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب مجتہد، محترم اور دین کے ستون ہیں، لہذا ان کی عظمت و تقدیس ہر حال میں برقرار رکھی جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب: امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری میں باب قائم کیا: باب قول النبی ﷺ: لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم

رقاب بعض (صحیح البخاری، کتاب الفتن، ج 8، ص 93)۔ اس باب میں امام بخاری نے یہ حقیقت اجاگر کی کہ مسلمانوں کے باہمی قتال کو کفر قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ ایک عظیم فتنے کی شکل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اہل جمل و صفین کے بارے میں واضح کیا کہ یہ سب اجتہادی معاملات تھے، اور ان جنگوں کو اصحاب رسول ﷺ کے مقامِ بلند سے گرانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ کے اقوال: امام یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (م 676ھ) نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا: اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ جنگِ جمل و صفین میں شریک تمام صحابہ کرام مجتہد تھے، بعض کو حق زیادہ واضح ہوا، بعض سے اجتہادی خطا ہوئی، لیکن سب قابلِ احترام اور معزز ہیں (شرح صحیح مسلم، دار احیاء التراث، ج 15، ص 148)۔ امام نووی نے مزید فرمایا کہ: ان واقعات کی وجہ سے کسی صحابی پر طعن یا سب کرنا ناجائز و حرام ہے، بلکہ ان سب کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کرنی چاہیے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا موقف: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م 852ھ) نے فتح الباری میں فرمایا: جمل و صفین کے معرکوں میں شامل صحابہ کرام سب کے سب اہل فضل و کرامت تھے، ان میں سے کسی کو بھی نیتِ فساد یا ظلم سے متہم نہیں کیا جاسکتا۔ ان سب نے اجتہاد کیا، پس جس نے حق کو پایا اسے دہرا اجر ملا، اور جس سے خطا ہوئی اس کے لیے بھی اجر ہے (فتح الباری، دار المعرفۃ، ج 13، ص 55)۔ ابن حجر نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اگر صحابہ کے ان واقعات کو اختلاف و بدگمانی کے بجائے اجتہاد اور خیر خواہی

کے تناظر میں دیکھا جائے تو امت میں اتحاد باقی رہتا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا متوازن کلام: ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م 728ھ) نے منہاج السنۃ النبویہ میں اس مسئلے پر نہایت متوازن کلام فرمایا: ان جنگوں میں جو کچھ ہوا، وہ سب اجتہادی مسائل تھے۔ بعض اجتہاد میں حق کو زیادہ قریب تھے اور بعض نے خطا کی، مگر دونوں فریق اپنے اجتہاد کے مطابق خیر کے طلبگار تھے۔ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ان سب کا احترام اور ان سب کے لیے استغفار واجب ہے (منہاج السنۃ، مکتبہ دار الکتب العلمیہ، ج 4، ص 391)۔ انہوں نے مزید کہا: ان جنگوں کو بنیاد بنا کر صحابہ کی عدالت یا دیانت پر طعن کرنا گمراہی ہے، کیونکہ ان سب کی شہادت قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1- امام بخاری نے اپنی تبویب کے ذریعے واضح کیا کہ اہل جمل و صفین کے واقعات فتنے کے ضمن میں ہیں، کفر یا فسق کے نہیں۔ 2- امام نووی کے مطابق اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ سب صحابہ مجتہد اور محترم ہیں۔ 3- ابن حجر نے وضاحت کی کہ سب نے خیر خواہی کی نیت سے اجتہاد کیا، نہ کہ فساد کی غرض سے۔ 4- ابن تیمیہ نے متوازن کلام کے ذریعے امت کو یہ تعلیم دی کہ اختلافی جنگوں کے باوجود سب صحابہ کرام دین کے ستون اور اہل خیر ہیں۔ 5- ان تمام محدثین و فقہاء کا تجزیہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ان مسائل میں سکوت، ادب اور استغفار کا رویہ اختیار کیا جائے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، دار طوق النجاة، ج 8، ص 93-93۔ 3- صحیح مسلم بشرح النووی، دار احیاء التراث، ج 15، ص 148-4۔ 4- حافظ

ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، ج 13، ص 55-5- شیخ
 الاسلام ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویۃ، دار الکتب العلمیہ، ج 4، ص 391-6- ابن
 عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الجلیل، ج 3، ص 1125-7- علامہ شبلی
 نعمانی، الموافقات فی سیرۃ الصحابہ، ندوۃ العلماء مطبوعہ، ص 221۔

اقوالِ سلف صالحین اور اولیاء کرام کا موقف

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں رونما ہونے والے فتنوں، خصوصاً جنگِ جمل اور
 جنگِ صفین جیسے نازک مواقع پر امت کے بڑے بڑے ائمہ، سلف صالحین اور اولیاء
 کرام نے نہایت احتیاط اور توازن کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ ان حضرات
 کے اقوال اور مواقف اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ امت کا اصل منہج، صحابہ کرام رضی
 اللہ عنہم کی تعظیم، اجتہادی خطا پر معذرت، اور ان کے مقام و مرتبہ کو محفوظ رکھنا ہے۔

سلف صالحین کے اقوال: 1- حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ (ت 110ھ):

آپ نے فرمایا: وہ جنگ جس میں صحابہ کرام آپس میں شریک ہوئے، وہ ان کی اجتہادی
 رائے کا نتیجہ تھی۔ سب کا مقصد دین کی خدمت تھا، کسی نے دنیا کے لئے اقدام نہ کیا
 (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج 7، ص 163)۔ 2- امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (ت 161ھ):
 آپ نے فرمایا: ان خونریز فتنوں میں زبان بند رکھنا اور قلوب میں ان کے لئے خیر خواہی

رکھنا، یہی اہل سنت کا طریقہ ہے (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ بلال کائی، ج 1، ص 123)۔

3- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (ت 241ھ): آپ نے صحابہ کے باہمی اختلاف پر فرمایا: جو کچھ ان میں ہوا، وہ سب اجتہاد تھا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں اور زبانوں کو محفوظ رکھیں (السنۃ للخلال، ج 2، ص 447)۔

اولیاء کرام کا موقف: 1- حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ (ت 297ھ): آپ نے فرمایا: صحابہ کے اختلاف میں جو شخص اپنی رائے سے کلام کرے، وہ اللہ کی نگاہ میں گناہ گار ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ان سب کو اہل جنت سمجھیں اور ان کے حق میں دعا کریں (طبقات الصوفیہ، سلسلہ، ص 202)۔ 2- حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (ت 561ھ): آپ نے اپنی مجالس میں فرمایا: صحابہ کرام کے بارے میں زبان کو آلودہ نہ کرو۔ جو کچھ ان میں ہوا، وہ اجتہادی معاملات تھے۔ وہ سب ہمارے سردار ہیں اور ان سب پر اللہ کی رحمت ہے (الفتح الربانی، مجلس 5)۔ 3- حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ (ت 633ھ): آپ نے اپنے ملفوظات میں صحابہ کی محبت کو ایمان کی بنیاد قرار دیا اور فرمایا: صحابہ کرام کا احترام اور محبت ایمان کے کامل ہونے کی نشانی ہے، اور ان کے بارے میں کجی رکھنا ضلالت ہے (سیر الاولیاء، ج 2، ص 312)۔

خلاصہ و نتائج: سلف صالحین اور اولیاء امت نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات پر زبان کھولنے کے بجائے خاموشی اختیار کی جائے۔ ان کے نزدیک یہ سب کچھ اجتہاد کا نتیجہ تھا اور مقصد دین کی خدمت تھا، نہ کہ دنیاوی

مفاد۔ اہل سنت والجماعت کا متفقہ منہج یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل جنت اور لائق احترام ہیں۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں اور ان کے ذکر کو ادب و تعظیم کے ساتھ کریں۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، مطبع دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ۔ 3- صحیح مسلم، مطبع دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1421ھ۔ 4- الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، دار صادر بیروت، ج 7، ص 163-5- شرح اصول اعتقاد اہل السنة، لکائی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 1، ص 123-6- السنة، للخلال، دار الرلیہ، ریاض، 1410ھ، ج 2، ص 337-7- طبقات الصوفیہ، سلمی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص 202-8- الفتح الربانی، شیخ عبدالقادر جیلانی، مکتبہ دار القلم، دمشق، مجلس 5-9- سیر الاولیاء، عطار نیشاپوری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 2، ص 312۔

جنگِ جمل و صفین کے نتائج و اثرات

جنگِ جمل و صفین محض سیاسی یا عسکری نوعیت کے معرکے نہ تھے، بلکہ ان کے اثرات نے امتِ مسلمہ کی فکری، دینی اور عقیدتی سمت کو بھی متاثر کیا۔ اگرچہ ان جنگوں میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب اجتہاد پر تھے اور ان کے مقاصد دین کی خدمت اور امت کے تحفظ پر مبنی تھے، لیکن ان فتنوں کے نتیجے میں بعض ایسے گروہ اور افکار

سامنے آئے جنہوں نے تاریخ امت میں طویل مدتی اثرات چھوڑے۔ ان میں نمایاں طور پر خوارج اور رافضہ جیسے فرقوں کا ظہور ہے۔

خارجی فتنہ کا جنم: 1- ابتداء اور نعرہ: جنگِ صفین کے بعد جب حکمین کے فیصلے پر اختلاف ہوا تو ایک گروہ نے لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ کا نعرہ بلند کیا۔ اگرچہ اس کلمہ کا مفہوم درست تھا لیکن اس کے اطلاق میں ان لوگوں نے افراط کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کے خلاف بغاوت اختیار کر لی (تاریخ طبری، ج 5، ص 71)۔ 2- فکری بنیادیں: خوارج نے گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیا۔ انہوں نے اجتہادی خطا اور نیتِ صالح کو نظر انداز کر کے تکفیر کا دروازہ کھول دیا۔ ان کی سخت گیری اور تنگ نظری نے امت کے اتحاد کو نقصان پہنچایا۔ 3- نتیجہ: یہ پہلا باقاعدہ گروہ تھا جس نے صحابہ کرام کے اجتہادی فیصلوں پر اعتراض کیا اور ان کے خلاف تلوار اٹھائی۔ امت کی تاریخ میں تکفیری فکر کی جڑیں یہی ہیں۔

رافضی عقائد کا آغاز: 1- پس منظر: جنگِ جمل اور صفین کے بعد ایک دوسرا فکری دھارا وجود میں آیا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو مرکز بنایا، لیکن بعد میں اس میں غلو اور انحراف در آیا۔ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے حق سے بڑھا کر بیان کرنا شروع کیا اور بعض نے دیگر جلیل القدر صحابہ پر نکتہ چینی اور تنقیص کا دروازہ کھول دیا۔ 2- ابتدائی غلو: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں الوہیت یا نبوت کے خیالات بعض غالیوں نے پیش کیے، جنہیں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

سختی سے رد کیا اور ایسے افراد کو سزا دی۔ بعد میں اس گروہ نے رفتہ رفتہ رافضہ کی صورت اختیار کی (الممل والنمل، شہرستانی، ج 1، ص 146)۔ 3- اثرات: رافضی فکر نے امت میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی اور سب و شتم کو اپنا شعار بنایا۔ اس کے نتیجے میں امت میں ایک ایسا دھڑا وجود میں آیا جس نے صحابہ کرام کی عظمت کو مجروح کیا، حالانکہ یہی وہ طبقہ ہے جن کے بارے میں قرآن نے رضوان و جنت کی بشارت دی ہے۔

خلاصہ و نتائج: جنگِ جمل و صفین کے واقعات اگرچہ صحابہ کرام کے اجتہادی اختلافات کا نتیجہ تھے، لیکن بعد کے لوگوں نے ان واقعات کو اپنی فتنہ انگیزی کا سہارا بنایا۔ خارجی گروہ نے صحابہ کرام پر تنقید کرتے ہوئے تکفیر و خروج کی بنیاد رکھی، جس نے امت میں خونریزی اور انتشار پیدا کیا۔ رافضہ نے دوسری جانب غلو اور افراط کا راستہ اپنایا اور صحابہ کرام کی تنقیص کے ذریعے ایک علیحدہ عقیدتی فکر کو فروغ دیا۔ اہل سنت والجماعت کا موقف واضح ہے کہ تمام صحابہ کرام عدول، اہل جنت اور لائق احترام ہیں، ان کے باہمی اجتہادی اختلافات امت کے لئے نمونہ ہیں کہ کس طرح دین کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے۔ امت کو چاہئے کہ وہ خوارج و رافضہ کے انحرافات سے بچتے ہوئے صحابہ کرام کی محبت و تعظیم پر قائم رہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، مطبع دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ۔ 3- صحیح مسلم، مطبع دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1421ھ۔ 4- تاریخ الطبری، دار التراث، بیروت، 1387ھ، ج 5، ص 71-5- السنہ، للبخاری،

دارالریایۃ، ریاض، 1410ھ، ج 2، ص 447-6- شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ،
للا لکائی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ج 1، ص 123-7- الملل والنحل، شہرستانی، دار
المعرفۃ، بیروت، ج 1، ص 146-8- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دارالفکر، بیروت، ج
7، ص 281-9- عقیدہ الطحاویہ مع شرحہ، مکتبۃ البشری، لاہور، ص 98۔

جنگِ جمل و صفین کے نتائج و اثرات

اسلامی امت کی اساس وحدت واجتماعیت پر ہے۔ قرآن کریم نے امت کو
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران: 103) کا حکم دے کر اتحاد کی
اہمیت واضح فرمائی۔ لیکن تاریخ اسلام میں جنگِ جمل و صفین جیسے واقعات وہ سنگِ میل
ہیں جن کے بعد امت کے اتحاد کو شدید آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ ان جنگوں کا محرک صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادی فیصلے تھے، جو دین کی سر بلندی اور امت کی اصلاح کے
جذبے کے تحت کیے گئے تھے۔ مگر بعد میں آنے والے گروہوں نے ان واقعات کو اپنے
باطل نظریات کا سہارا بنایا، جس سے امت کے اتحاد پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

فرقہ واریت کا بیج: 1- اصل اختلاف اور اس کا پس منظر: جنگِ جمل و صفین
میں اصل سبب سیاسی اور انتظامی اجتہاد تھا، جس میں دونوں جانب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کی نیت خیر خواہی پر مبنی تھی۔ لیکن بعد کے ادوار میں بعض گروہوں نے ان اختلافات کو
اصولی اور عقیدتی نوعیت دے کر امت میں مستقل تقسیم کی بنیاد رکھ دی۔

2- فرقہ واریت کی ابتدا: خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے خلاف خروج کر کے تکفیری فکر کو جنم دیا۔ رافضہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے نام پر دیگر صحابہ کرام کی تنقیص کو شعار بنایا۔ بعض متعصب عناصر نے اپنے اپنے نظریات کی تائید میں ان تاریخی جنگوں کو بطور دلیل پیش کیا اور امت کے اندر اختلافات کو ہوا دی۔

3- نتائج: اس کے نتیجے میں امت میں پہلی مرتبہ فرقہ وارانہ خطوط واضح ہونا شروع ہوئے۔ جہاں اہل السنہ والجماعت نے صحابہ کرام سب کے احترام و تقدس کو اپنا عقیدہ بنایا، وہیں دیگر گروہوں نے اپنے باطل نظریات کو ان تاریخی واقعات سے جوڑ کر فرقہ واریت کو پروان چڑھایا۔

تاریخی مناظرات: 1- علمی مناقشات: جنگِ جمل و صفین کے بعد پیدا شدہ فکری اختلافات نے مناظرات اور علمی مباحث کی صورت اختیار کی۔ علماء اہل سنت نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ تمام صحابہ کرام عدول ہیں۔ ان کے اجتہادی اختلافات کو عقیدہ و ایمان کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ امت کو ان اختلافات میں غلو اور افراط سے بچنا ضروری ہے۔ 2- مناظرات کی سمت: بعض تاریخی ادوار میں یہ مناظرات مثبت تھے، کیونکہ ان کے ذریعے امت میں فرقہ وارانہ گمراہیوں کا رد ہوا۔ لیکن بعض اوقات مناظرات شدت اختیار کر گئے اور عوامی سطح پر تنازعات نے اتحادِ امت کو کمزور کیا۔ 3- سلف کا رویہ: ائمہ اربعہ اور سلف صالحین نے ہمیشہ یہی موقف اختیار کیا کہ ان جنگوں میں شامل تمام صحابہ کرام مجتہد اور لائق احترام ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول

ہے: تِلْكَ دِمَاءُ كَفَّ اللَّهُ أَيْدِينَا عَنْهَا فَتُكْفُ أَلْسِنَتُنَا عَنْهَا (یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا، ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں گے) (الانقیاء لابن عبد البر، ص 165)۔

خلاصہ و نتائج: جنگِ جمل و صفین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلافات ہوئے وہ سب اجتہادی تھے اور ان کی نیت دین اور امت کی بھلائی پر مبنی تھی۔ بعد کے ادوار میں انہی اختلافات کو بعض گروہوں نے فرقہ واریت اور افتراق کی بنیاد بنایا، جس سے امت کا اتحاد متاثر ہوا۔ مناظرات اور علمی مباحث اگرچہ ابتدا میں اصلاحی مقصد رکھتے تھے، مگر وقت گزرنے کے ساتھ یہ شدت اختیار کر گئے اور عوامی سطح پر امت کے اندر دراڑیں ڈالنے کا سبب بنے۔ اہل السنہ والجماعت کا موقف یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام اہل ایمان، عدول اور جنتی ہیں، ان کے اجتہادی اختلافات کو بنیاد بنا کر فرقہ واریت کو ہوا دینا سخت گمراہی ہے۔ امت کے لئے سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ وہ سلف کے موقف پر قائم رہتے ہوئے صحابہ کرام کے احترام اور اتحاد امت کو ہمیشہ مقدم رکھے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، مطبع دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ۔ 3- صحیح مسلم، مطبع دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1421ھ۔ 4- تاریخ الطبری، دار التراث، بیروت، 1387ھ، ج 5، ص 71-5- السنہ، للخلال، دار الراية، ریاض، 1410ھ، ج 2، ص 447-6- شرح اصول اعتقاد اہل السنہ، للکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 1، ص 123-7- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر،

دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 281-8- الانتقاء فی فضائل الاثنی عشر الأئمة الفقهاء، ابن عبد البر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص 165-9- عقیدہ الطحاویہ مع شرحہ، مکتبہ البشیری، لاہور، ص 98۔

جنگِ جمل و صفین کے سیاسی اثرات

اسلامی تاریخ میں جنگِ جمل و صفین ایسے واقعات ہیں جنہوں نے نہ صرف دینی و فکری میدان میں اثرات مرتب کیے بلکہ سیاسی میدان میں بھی دور رس نتائج چھوڑے۔ یہ وہ معرکہ تھے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہادی طور پر حق کی تلاش میں میدانِ عمل میں اترے۔ مقصد امت کی بھلائی، عدل کا قیام اور فتنوں کا سد باب تھا۔ لیکن سیاسی سطح پر ان معرکوں نے خلافت کے استحکام، نظم حکومت اور امت کے سیاسی شعور پر گہرے اثرات ڈالے۔

خلافت و امارت پر اثرات: 1- خلافتِ راشدہ کا استحکام اور امتحان: جنگِ جمل و صفین کے بعد خلافتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شدید آزمائشوں کا سامنا ہوا۔ ایک طرف انتظامی و عدالتی امور کو درست رکھنے کی جدوجہد تھی، دوسری طرف داخلی اختلافات نے خلافت کی طاقت کو بظاہر کمزور کیا۔ اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عدل، دیانت اور مساوات کو اپنی خلافت کی بنیاد رکھا۔ 2- مخالف قوتوں کی سرگرمیاں: اس دور

میں بعض عناصر نے ان داخلی اختلافات کو سیاسی طاقت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ یوں اسلامی خلافت کو پہلی مرتبہ داخلی انتشار اور بیرونی سازشوں کا سامنا کرنا پڑا۔

سیاسی نظام میں تبدیلیاں: 1- اجتہادی اختلافات کا دائرہ: جنگِ جمل و صفین نے یہ حقیقت آشکار کی کہ سیاسی و انتظامی مسائل میں اجتہادی اختلافات پیدا ہو سکتے ہیں، اور ان میں ہر فریق اپنی نیت کے مطابق حق پر ہو سکتا ہے۔ یہ اختلافات دین کی اساس کو نہیں توڑتے بلکہ سیاسی نظم و نسق میں تنوع کی علامت ہیں۔ 2- شورائی نظام کا عملی اظہار: ان معرکوں کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے فیصلے مشاورت سے کیے۔ اس سے امت کو یہ سبق ملا کہ سیاسی معاملات میں شورائی نظام بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

امت کے سیاسی شعور پر اثرات: 1- عدل و انصاف کی اہمیت: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بارہا فرمایا کہ حکومت عدل سے قائم رہتی ہے، ظلم سے نہیں۔ ان کے اس رویے نے امت میں سیاسی عدل و شفافیت کے اصول کو راسخ کیا۔ 2- سیاسی اختلاف اور اس کی حدود: جنگِ جمل و صفین نے امت کو یہ شعور دیا کہ سیاسی اختلاف رائے کو بغاوت یا دین سے خروج کی شکل نہیں دی جانی چاہئے۔ اختلاف اپنی جگہ اجتہادی تھا، مگر اس سے دین کی اصل اور اصول متاثر نہیں ہوئے۔ 3- بیرونی طاقتوں کے لئے مواقع: داخلی اختلافات نے بیرونی طاقتوں کو اسلامی خلافت کے خلاف سازشیں کرنے کا موقع دیا۔ لیکن امت کے مضبوط ایمانی و دینی ربط نے ان سازشوں

کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

سیاسی اثرات کی دور رس نتائج: ان جنگوں نے یہ حقیقت واضح کی کہ امت کے سیاسی نظام میں وحدت و اجتماعیت کے ساتھ ساتھ اختلاف رائے کا وجود بھی ممکن ہے۔ اہل السنہ والجماعت نے ان واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں، ان کے اجتہادی فیصلوں سے کسی کی تنقیص یا الزام تراشی جائز نہیں۔ بعد کے ادوار میں ان واقعات کو غلط انداز میں پیش کر کے بعض گروہوں نے سیاسی افتراق پیدا کیا، لیکن اہل حق نے ہمیشہ امت کو اتحاد اور عدل کی راہ دکھائی۔ خلاصہ و نتائج: جنگِ جمل و صفین کے سیاسی اثرات امت کے لئے نہایت سبق آموز ہیں۔ ان معرکوں نے واضح کیا کہ خلافت کی اساس عدل، مشاورت اور مساوات پر قائم ہونی چاہئے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ اجتہادی اختلاف کو دین کا اختلاف قرار دینا درست نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیاسی میدان میں بھی اپنی سچائی اور خیر خواہی کے ذریعے امت کے لئے وہ اصول چھوڑے جو قیامت تک مشعلِ راہ رہیں گے۔ امت کو چاہئے کہ ان جنگوں کے سیاسی اثرات سے سبق حاصل کرے اور فرقہ واریت و افتراق سے بچتے ہوئے عدل و اتحاد کو اپنی سیاست کی بنیاد بنائے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، مطبع دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ۔ 3- صحیح مسلم، مطبع دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1421ھ۔ 4- تاریخ الطبری، دار التراث، بیروت، 1387ھ، ج 5، ص 71-95۔ 5- البدایہ

والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 310-281-6- الامامۃ والسیاسة، ابن قتیبہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 1، ص 112-7- العقیدہ الطحاویہ مع شرحہ، مکتبہ البشیری، لاہور، ص 101-8- الفرق بین الفرق، عبدالقادر البغدادی، دار المعرفۃ، بیروت، ص 22-9- الفتاوی الہندیہ، دار الفکر، بیروت، ج 2، ص 265-10- آثار السنن، امام انور شاہ کشمیری، ادارہ المعارف، کراچی، ج 1، ص 44۔

جنگِ جمل و صفین کے فکری و علمی اثرات

اسلامی تاریخ کے ان عظیم الشان واقعات جنگِ جمل و صفین نے نہ صرف سیاسی نقشہ بدلا بلکہ فکری و علمی میدان میں بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ یہ معرکے محض عسکری تصادم نہ تھے بلکہ امتِ مسلمہ کے فکری شعور، اجتہادی بصیرت اور علمی روایت کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرنے والے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین یہ اختلافات دراصل اجتہادی اختلافات تھے، جنہوں نے آئندہ نسلوں کے لئے فکر و نظر کا ایک وسیع باب کھول دیا۔ اہل سنت والجماعت نے ہمیشہ ان واقعات کو ادب و احترام کے ساتھ دیکھا اور صحابہ کرام کے اجتہاد کو دین کی بقا و امت کی خیر خواہی کے تناظر میں سمجھا۔

فکری اثرات: 1- اجتہاد کی وسعت اور تنوع کی مثال: جنگِ جمل و صفین

نے امت کو یہ باور کرایا کہ کتاب و سنت کی روشنی میں سیاسی و انتظامی معاملات میں

مختلف زاویوں سے اجتہاد ہو سکتا ہے۔ حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اجلہ صحابہ کے اجتہاد نے امت کو یہ سبق دیا کہ اختلاف رائے میں بھی اخلاص اور تقویٰ ممکن ہے۔ 2- عدل و حق پسندی کی فکر کا فروغ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال و افعال نے امت کو یہ فکر عطا کی کہ عدل کے بغیر کوئی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ ان کا فرمان: الملک یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم امت کے فکری سرمایہ میں ہمیشہ زندہ رہا۔ 3- اختلاف کے اصول اور اس کی حدود: ان معرکوں نے واضح کیا کہ علمی و فکری اختلاف کی ایک حد ہے، جس سے تجاوز کرنا امت کے لئے نقصان دہ ہے۔ اہل سنت نے یہی اصول اپنایا کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور ان کے اجتہادی اختلاف کو فتنہ نہیں بلکہ امت کے لئے رحمت سمجھا جائے۔

علمی اثرات: 1- علمِ تاریخ و سیرت کی تشکیل: جنگِ جمل و صفین کے واقعات نے محدثین و مؤرخین کو تاریخی حقائق محفوظ کرنے کی تحریک دی۔ اس کے نتیجے میں اسلامی تاریخ میں ایک مضبوط روایت قائم ہوئی جس میں واقعات کی چھان بین، اسانید کی تحقیق اور روایات کی نقد و جرح کا سلسلہ پروان چڑھا۔ 2- فقہی بصیرت کا ارتقاء: ان جنگوں کے بعد فقہاء نے سیاسی و انتظامی مسائل کو بھی اپنے دائرہ بحث میں شامل کیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اجتہادی اختلافات کی بنیاد پر یہ اصول قائم فرمایا کہ: کلہم مجتہدون مأجورون، المخطئ لہ أجر والمصیب لہ أجران۔ اس اصول نے فقہ حنفی اور دیگر مکاتب میں اختلاف کے آداب کو مضبوط کیا۔

3- علمِ کلام اور فرقوں کے رد کا آغاز: خوارج اور روافض نے ان واقعات کو بنیاد بنا کر باطل نظریات گھڑنے کی کوشش کی۔ اہل سنت کے ائمہ نے ان فتنوں کا علمی رد کیا اور صحابہ کی عدالت و عظمت کو اصولی طور پر بیان کیا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے العقیدۃ الطحاویہ میں صاف الفاظ میں فرمایا: ونحب أصحاب رسول الله ﷺ ولا نفرط في حب أحد منهم ولا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من يبغيضهم۔

سلف صالحین کی توضیحات: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: تلک دماء طہر اللہ ایدینا، فلا نخضب ألسنتنا یعنی یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا، پس ہمیں اپنی زبانوں کو بھی پاک رکھنا چاہئے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے: من تنقص أحداً من أصحاب رسول الله ﷺ فهو مبتدع، حتی یرغم أنفه۔ یہ اقوال امت کے لئے رہنما ہیں کہ ان واقعات پر بحث کرتے وقت صحابہ کرام کے تقدس و عظمت کو ہمیشہ مقدم رکھا جائے۔

خلاصہ و نتائج: جنگِ جمل و صفین نے امت کے فکری و علمی شعور کو نئی جہتیں عطا کیں۔ اجتہاد کی وسعت، اختلاف کے آداب، اور عدل و انصاف کے اصول واضح ہوئے۔ ان معرکوں کے نتیجے میں تاریخ نویسی، حدیث کی حفاظت، اور فقہی بصیرت کو تقویت ملی۔ اہل سنت والجماعت نے ہمیشہ ان واقعات کو ادب کے ساتھ بیان کیا اور یہ اصول اپنایا کہ تمام صحابہ عدول ہیں اور ان کے اجتہادی اختلافات سے دین کی اساس پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ امت کے لئے یہ واقعات ایک ابدی سبق ہیں

کہ اختلاف رائے میں بھی اخلاص و خیر خواہی کو قائم رکھا جائے اور سلف کے ادب و احترام کو کبھی نہ بھلایا جائے۔

- مصادر و مراجع:** 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، مطبع دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، ج 4، ص 161۔ 3- صحیح مسلم، مطبع دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1421ھ، ج 5، ص 115۔ 4- تاریخ الطبری، دار التراث، بیروت، 1387ھ، ج 5، ص 140-185۔ 5- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 295-350۔ 6- الامامة والسیاسة، ابن قتیبہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 1، ص 151۔ 7- العقیدہ الطحاویہ مع شرحہ، مکتبہ البشیری، لاہور، ص 115۔ 8- الفرق بین الفرق، عبد القاهر البغدادی، دار المعرفہ، بیروت، ص 2۔ 9- الفتاویٰ الھندیہ، دار الفکر، بیروت، ج 2، ص 270-10- آثار السنن، امام انور شاہ کشمیری، ادارہ المعارف، کراچی، ج 1، ص 52۔

جنگِ جمل و صفین کے مذہبی و اعتقادی اثرات

اسلامی تاریخ میں جنگِ جمل اور صفین محض سیاسی اور عسکری معرکے نہیں تھے، بلکہ ان کے اثرات نے امتِ مسلمہ کی مذہبی اور اعتقادی فکر پر بھی گہرے نقوش چھوڑے۔ اگرچہ ان واقعات کا اصل تعلق انتظامی و سیاسی معاملات سے تھا، تاہم بعد

کے ادوار میں ان کی تعبیرات و تاویلات نے مختلف فکری و اعتقادی رجحانات کو جنم دیا۔ ان رجحانات نے امت کے مذہبی مزاج اور عقائد کی تعبیر پر طویل عرصے تک اثر ڈالا۔

1- صحابہ کرام کی عظمت و مقام پر اتفاق: سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت نے ہمیشہ اس اصول کو تھا ما کہ جنگِ جمل و صفین میں شریک ہونے والے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجتہد تھے، ان میں سے جس نے حق کو پایا، اس کو دوہرا اجر ملا، اور جس سے خطا ہوئی، اس کو اجتہاد کا ایک اجر ضرور حاصل ہوا۔ یہی وہ معتدل اور منصفانہ موقف ہے جو مذہبی و اعتقادی لحاظ سے امت کے لیے معیارِ ہدایت بنا۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سب نے یہی موقف اپنایا کہ یہ معرکہ اجتہادی تھے اور کسی بھی فریق کی تنقیص ایمان کے منافی ہے۔

2- خارجی فکر کا ظہور: ان جنگوں کے بعد جو گروہ سب سے پہلے سامنے آیا، وہ خوارج تھے۔ ان کا بنیادی مذہبی و اعتقادی نعرہ لا حُکْمَ إِلَّا لِلَّهِ تھا۔ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر صحابہ کرامؓ پر بھی نقد کیا اور ان کی تکفیر تک جا پہنچے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ فکری انتہا پسندی جب مذہبی لبادہ اوڑھ لے تو کس طرح امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ یہ خارجی فکر دراصل ایک انتہا پسندانہ مذہبی تعبیر تھی، جس نے امت کے اندر فتنہ و انتشار کو جنم دیا۔

3- شیعہ اعتقادات کی تشکیل: جنگِ صفین کے بعد ایک دوسرا فکری دھارا ظہور پذیر ہوا، جسے بعد میں تشیع کہا گیا۔ ابتدا میں یہ محض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی غیر معمولی

محبت اور وفاداری کا نام تھا، لیکن رفتہ رفتہ اس نے غلو کی شکل اختیار کر لی اور بعض گروہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ناروا عقائد کے حامل ہو گئے۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ امت مسلمہ کے اندر ایک مستقل مذہبی تقسیم وجود میں آ گئی، جو آج تک کسی نہ کسی صورت باقی ہے۔

4- مذہبی تعبیرات میں اختلاف: ان جنگوں کے اثرات سے مذہبی افکار میں

یہ فرق بھی نمایاں ہوا کہ کچھ لوگ صحابہ کرامؓ کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور کچھ نے ان کے اجتہاد کی قدر و منزلت کو سمجھنے میں کوتاہی کی۔ اہل سنت نے ان دونوں انتہاؤں کے مقابل ایک معتدل اور متوازن مذہبی راستہ اختیار کیا، جس نے عقیدے کو صحابہ کرامؓ کی محبت و احترام پر قائم رکھا۔

5- علمِ کلام اور فقہی تعبیرات پر اثر: جنگِ جمل و صفین کے مذہبی اثرات میں

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے بعد علمِ کلام میں نئے مباحث پیدا ہوئے۔ ایمان کی حقیقت، کبیرہ گناہ کا حکم، عدلِ الہی، تقدیر اور امامت جیسے مسائل انہی فکری مناظرات کی دین ہیں۔ فقہائے امت نے ان موضوعات پر قرآن و سنت کی روشنی میں گفتگو کی اور اہل سنت والجماعت کا متوازن نظریہ پیش کیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- جنگِ جمل و صفین اگرچہ سیاسی نوعیت کے تھے، لیکن ان

کے مذہبی و اعتقادی اثرات دور رس ثابت ہوئے۔ 2- اہل سنت والجماعت نے ہمیشہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و تقدس کو محفوظ رکھا اور ان کے اختلاف کو اجتہادی تسلیم کیا۔ 3- خوارج اور روافض کی فکری و اعتقادی گمراہیاں انہی جنگوں کے پس منظر میں جنم

لیں۔ 4- امت میں دو انتہائیں وجود میں آئیں: ایک جانب تکفیر کا غلو، اور دوسری طرف غالی محبت؛ اہل سنت نے ان دونوں سے بچ کر درمیانہ راہ اختیار کی۔ 5- ان جنگوں کے بعد مذہبی مباحث کا دائرہ وسیع ہوا اور علمِ کلام میں نئے مسائل نے جنم لیا۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم، سورۃ الحجرات، سورۃ التوبہ۔ 2- صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابة، ج 5، ص 7، مطبع دار ابن کثیر، بیروت، 2001۔

3- صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج 1، ص 152، مطبع دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1995۔

4- تاریخ الطبری، ج 4، ص 478-450، مطبع دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1997۔

5- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، ص 310-200، مطبع دار الفکر، بیروت، 1999۔

6- الفرق بین الفرق، عبد القاهر البغدادی، ص 45-22، مطبع دار المعرفہ، بیروت، 2003۔

7- شرح عقیدہ طحاوی، ابن ابی العز الحنفی، ص 550-534، مطبع مکتبہ حقانیہ، پاکستان، 2000۔

8- عقیدۃ اہل السنۃ فی الصحابۃ، شیخ ناصر الدین البانی، ص 32-17، مطبع مکتب الاسلامی، دمشق، 1984۔

جنگِ جمل و صفین کے سیاسی و معاشرتی اثرات

اسلامی تاریخ کا وہ دور جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور بعض جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین واقعاتِ جمل و صفین رونما ہوئے، تاریخ اسلام کا

نہایت حساس اور نازک باب ہے۔ ان معرکوں کے اثرات محض اس وقت کے سیاسی منظر نامے تک محدود نہ تھے بلکہ آئندہ نسلوں اور امت کے فکری و اجتماعی سفر پر بھی گہرے نقوش چھوڑ گئے۔ اہل سنت والجماعت کا مسلم عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدول ہیں، ان کی نیتیں خالص تھیں اور ان کے اجتہاد کا مدار دین و امت کی بھلائی تھی۔ اختلافات کے باوجود ان کی عظمت و تقدس پر ایمان رکھنا اور ان کے مقام و مرتبہ کو سلام عقیدت پیش کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

سیاسی اثرات: 1- امت مسلمہ کی سیاسی کمزوری: ان معرکوں کے بعد سب سے نمایاں سیاسی اثر یہ تھا کہ امت کی سیاسی وحدت کو ایک دھچکا پہنچا۔ خلافت راشدہ کے دور کی وہ مرکزیت، جس میں اسلامی حکومت ایک مضبوط نظام کے تحت قائم تھی، واقعاتِ جمل و صفین کے بعد بتدریج کمزور پڑی۔ دشمن قوتوں نے یہ محسوس کیا کہ داخلی اختلافات مسلمانوں کو یکجہتی سے محروم کر سکتے ہیں۔

2- سیاسی نظم میں انتشار: حضرت علیؑ کی خلافت کے دوران داخلی انتشار کے باعث حکومت کی توجہ بیرونی محاذوں سے ہٹ کر اندرونی امن قائم رکھنے پر مرکوز ہو گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلامی ریاست کو بیرونی طاقتوں کے خلاف مضبوط محاذ آرائی کرنی چاہیے تھی لیکن داخلی اختلاف نے اس فطری ترقی کو محدود کر دیا۔

3- مستقبل کی تحریکات کے لیے راستہ ہموار ہونا: جنگِ جمل و صفین نے ایک ایسا سیاسی منظر نامہ ترتیب دیا جس کے بعد خوارج کا فتنہ سرا اٹھا کر کھڑا ہوا، اور مستقبل

میں بنو امیہ و بنو عباس کی حکومتوں کے لیے بھی سیاسی چیلنجز پیدا ہوئے۔ یہ اختلافات بعد کی تحریکات کے لیے گویا پیش خیمہ بن گئے۔

معاشرتی اثرات: 1- امت کے اتحاد میں رخنہ: ان جنگوں کے بعد امت میں فکری و معاشرتی اختلافات کے بیج پڑ گئے۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیت خیر ہی پر مبنی تھی، مگر عوامی سطح پر گروہ بندی اور تعصبات نے امت کو تقسیم کر دیا۔ یہی تقسیم آگے چل کر فرقہ واریت کے ابتدائی نقوش کا سبب بنی۔ 2- علمی و فکری مباحث کی ابتدا: ان معرکوں کے نتیجے میں عوام و خواص میں ایسے مسائل زیر بحث آئے جو اس سے قبل امت کی گفتگو کا موضوع نہ تھے، مثلاً: امامت، خروج، اطاعت حکمران اور اجتہادی خطا وغیرہ۔ سلف نے ان پر گہرے علمی مباحث کیے اور اصول اہل سنت و جماعت کو واضح کیا کہ صحابہ کے اجتہاد میں خطا ممکن ہے مگر ان کی نیت میں خلل نہیں۔ 3- دشمنانِ اسلام کے لیے تقویت: روم و فارس کی باقی ماندہ طاقتوں کو ان داخلی اختلافات نے ایک حوصلہ دیا۔ اگرچہ وہ براہِ راست مسلمانوں کے سیاسی نظام کو نہ توڑ سکے، لیکن ان کو یہ یقین ہو گیا کہ مسلمانوں میں بھی اختلاف و نزاع موجود ہے، جس سے اسلام کی پیش قدمی کچھ عرصہ سست ہو گئی۔

خلاصہ و نتائج جنگِ جمل و صفین کے سیاسی و معاشرتی اثرات کو مجموعی طور پر یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ان معرکوں نے امت کی داخلی کمزوری کو ظاہر کیا، دشمنوں کے لیے وقتی تقویت کا باعث بنے اور امت کے اتحاد کو چیلنج کا سامنا ہوا۔ تاہم ان تمام حالات میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیتیں پاکیزہ اور مقصد خیر ہی تھا۔ وہ سب دین کی سر بلندی چاہتے تھے، اگرچہ اجتہاد میں اختلاف ہوا۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہی دونوں معرکے امت کے لیے عبرت اور تنبیہ کا سامان ہیں کہ اتحاد و اخوت کو ہمیشہ مقدم رکھا جائے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ: لا ترجعوا بعدی کفاراً ایضرب بعضکم رقاب بعض، حدیث: 7076، دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، ج 8، ص 98-3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين، حدیث: 1847، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1415ھ، ج 3، ص 1476-4- الطبری، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1407ھ، ج 3، ص 482-5- ابن کثیر، البدلیۃ والنہایۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1408ھ، ج 7، ص 238-6- ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الجلیل، بیروت، 1412ھ، ج 3، ص 975-7- ملا علی القاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1422ھ، ج 9، ص 4054-8- حضرت مفتی تقی عثمانی، تاریخ امت و دعوت دین، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2010ء، ص 214۔

دروس و عبرتیں

(جنگِ جمل و صفین سے سبق)

اسلامی تاریخ میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین ایسے واقعات ہیں جنہیں محض

ایک تاریخی سانحہ کے طور پر نہیں دیکھا جاسکتا، بلکہ ان میں امت کے لیے ایسے دروس و عبرتیں پوشیدہ ہیں جو ہر دور میں رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ یہ تمام واقعات اجتہادی بنیادوں پر پیش آئے، اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد دین اسلام کی سر بلندی اور امت کی اصلاح تھا۔ لہذا ان معرکوں سے حاصل ہونے والا سبق امت کو آئندہ کے لیے اخلاص، باہمی احترام اور دینی بصیرت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

1- نیت اور اخلاص کی اہمیت: ان واقعات سے سب سے پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال کی بنیاد نیتوں پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** (صحیح البخاری، کتاب بدء الوجدی، حدیث: 1، ج 1، ص 3، دار طوق النجاة)۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ سمیت تمام اصحاب کا مقصد حق اور دین کی مصلحت ہی تھا۔ اجتہاد میں اختلاف ہوا مگر اخلاص و نیت سب کی پاکیزہ تھی۔ یہی سبق آج کے مسلمانوں کے لیے بھی ہے کہ جب تک اخلاص اور نیت صالحہ موجود ہے، اختلاف رائے نقصان دہ نہیں ہوتا، بلکہ دین کے لیے خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

2- اجتہادی خطاؤں کی معافی: اہل سنت والجماعت کے اصول کے مطابق صحابہ کرامؓ کے مابین جو اختلافات ہوئے، وہ اجتہادی نوعیت کے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **إِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ** (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، حدیث: 7352، ج 9، ص 141، دار طوق النجاة)۔ اس اصول

کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اصحابِ جمل و صفین دونوں کے لیے اجر کا وعدہ ہے، کیونکہ سب کا مقصد دین کی خدمت تھا۔ اس سے امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ کسی بھی اہلِ خیر کی اجتہادی خطا پر طعن و تنقیص نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ان کی نیت اور سعی کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔

3- باہمی احترام اور اخوت: ان واقعات کا تیسرا بڑا سبق یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود باہمی احترام باقی رہنا چاہیے۔ حضرت علیؓ نے جنگِ جمل کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ گو عزت و تکریم کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔ اسی طرح صفین کے بعد بھی مخالفین کے بارے میں بدکلامی یا تحقیر نہیں کی۔ یہ طرزِ عمل امت کو یہ سبق دیتا ہے کہ اختلاف خواہ کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، دینی اخوت اور باہمی احترام کو کبھی پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے۔

خلاصہ و نتائج: جنگِ جمل و صفین سے امت کے لیے یہ واضح سبق سامنے آتا ہے کہ نیت اور اخلاص ہی اعمال کی بنیاد ہیں۔ اجتہادی خطا معاف ہے اور اجتہاد کرنے والے کو اجر ملتا ہے۔ اختلافات کے باوجود باہمی احترام اور اخوت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ یہ واقعات امت کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے اندرونی اختلافات کو دشمنانِ اسلام کے لیے کمزوری نہ بننے دے، بلکہ اخلاص، وسعتِ ظرفی اور باہمی ادب کے ساتھ دینی اور ملی وحدت کو مضبوط کرے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی،

حدیث: 1، دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، ج 1، ص 3-3- صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، حدیث: 7352، دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، ج 9، ص 141-4- صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب بیان اجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، حدیث: 1716، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1415ھ، ج 3، ص 1342-5- الطبری، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1407ھ، ج 3، ص 487-6- ابن کثیر، البدلیۃ والنهاية، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1408ھ، ج 7، ص 248-7- ملا علی القاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1422ھ، ج 9، ص 4054-8- علامہ ابن حجر عسقلانی، الاصلۃ فی تمییز الصحابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ، ج 4، ص 569-9- مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2007ء، ج 2، ص 423۔

فتنوں سے بچاؤ کے اصول

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں امت کو فتنوں کا سامنا رہا ہے۔ کبھی یہ فتنے سیاسی رخ اختیار کرتے ہیں، کبھی فکری و اعتقادی رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں، اور کبھی معاشرتی و اخلاقی سطح پر امت کو آزماتے ہیں۔ جنگِ جمل و صفین جیسے عظیم واقعات اس بات کی واضح مثال ہیں کہ امت کے باہمی اختلافات اگر فتنہ میں ڈھل جائیں تو اس کے

نتائج نہ صرف وقتی طور پر نقصان دہ ہوتے ہیں بلکہ آئندہ نسلوں تک اس کے اثرات پہنچتے ہیں۔ لہذا امت کے لیے لازم ہے کہ قرآن و سنت کی ہدایات، علمائے سلف کی تعلیمات اور اتحاد امت کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے فتنوں سے بچنے کے اصول اختیار کرے۔

1- قرآن و سنت کی روشنی میں فتنوں سے بچاؤ: قرآن و سنت نے فتنوں

کے دور میں امت کو محفوظ رکھنے کے بنیادی اصول واضح کر دیے ہیں۔ فتنہ سے بچنے کا حکم: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ** (الأنفال: 25)۔ ترجمہ: اور اس فتنہ سے بچو جو صرف ظالموں ہی کو نہیں پہنچے گا، بلکہ سب کو گھیر لے گا۔ فتنوں میں صبر اور کنارہ کشی: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **ستكون فتن، القاعد فيها خير من القائم، والقائم فيها خير من الماشي، والماشي فيها خير من الساعي** (صحیح البخاری، کتاب الفتن، حدیث: 7081، ج 8 ص 104، دار طوق النجاة)۔ اس سے معلوم ہوا کہ فتنوں کے وقت عافیت اختیار کرنا اور بے جا مداخلت سے اجتناب بہتر ہے۔ رجوع الی القرآن والسنة: فتنوں سے نجات کا اصل ذریعہ قرآن و سنت کی طرف لوٹنا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: **ترکت فيکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما: کتاب الله وسنة نبیه** (موطا امام مالک، کتاب القدر، حدیث: 1594، ص 434، دار احیاء التراث العربی)۔

2- علمائے سلف کی ہدایات: اہل علم نے ہر دور میں امت کو فتنوں سے بچنے

کی واضح رہنمائی فرمائی۔ امام ابو حنیفہؒ: فتنوں میں اہل حق کے ساتھ ثابت قدم رہنے

اور بلا دلیل کسی پر طعن نہ کرنے کی وصیت فرمائی (الانقضاء لابن عبدالبر، ص 142)۔

امام احمد بن حنبلؒ: فرمایا کہ فتنہ کے وقت خاموش رہنا اور دل کو سلامتی پر قائم رکھنا افضل ہے (طبقات الحنابلہ، ج 1، ص 331)۔ حضرت حسن بصریؒ: لوگوں کو نصیحت فرماتے کہ جب فتنہ ظاہر ہو تو تم اپنے گھروں میں اللہ کی اطاعت میں لگے رہو، اور بے جا گفتگو اور انتشار سے بچو (حلیۃ الاولیاء، ج 2، ص 147)۔ یہ تمام تعلیمات امت کو یہی سکھاتی ہیں کہ فتنہ کے وقت جذباتیت کی بجائے بصیرت، علم اور صبر سے کام لینا ہی اصل حکمت ہے۔

3- اتحادِ امت کی ضرورت: فتنوں سے بچنے کے سب سے مؤثر اصولوں

میں سے ایک امت کے اتحاد کو قائم رکھنا ہے۔ قرآنی ہدایت: **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا** (آل عمران: 103)۔ نبی کریم ﷺ کی وصیت: آپ ﷺ نے فرمایا: **يُودُ اللَّهُ مَعَ الْجَمَاعَةِ** (جامع الترمذی، کتاب الفتن، حدیث: 2167، ج 4، ص 465، دار الغریب)۔ امت جب اختلافات کو پس پشت ڈال کر کتاب و سنت کے سایے میں یکجا ہوتی ہے تو فتنوں کی آندھیاں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ جنگِ جمل و صفین سے یہی سبق ملتا ہے کہ فتنوں کے وقت سب سے بڑی ضرورت امت کی صفوں میں اتحاد اور قیادت کے ساتھ وابستگی ہے۔

خلاصہ و نتائج: جنگِ جمل و صفین کے واقعات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ فتنوں کے وقت قرآن و سنت کی روشنی میں راہِ عمل متعین کرنا، سلفِ صالحین کی ہدایات پر عمل پیرا ہونا اور امت کے اتحاد کو قائم رکھنا ہی اصل حکمت ہے۔ فتنہ کے

وقتِ عافیت اور صبرِ اختیار کرنا زیادہ محفوظ ہے۔ اہلِ علم کی رہنمائی کے بغیر کسی عمل میں جلد بازی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ امت کا اتحاد ہی فتنوں کے مقابلے میں سب سے بڑی ڈھال ہے۔

مصادر و مراجع: 1- القرآن الکریم۔ 2- صحیح البخاری، کتاب الفتن، حدیث: 7081، دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، ج 8، ص 104-3۔ موطا امام مالک، کتاب القدر، حدیث: 1594، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص 434-4۔ جامع الترمذی، کتاب الفتن، حدیث: 2167، دار الغریب، بیروت، 1412ھ، ج 4، ص 465-5۔ ابن عبد البر، الانقاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1405ھ، ص 142۔ 6- ابن ابی یعلیٰ، طبقات الحنابلہ، دار المعارف، مصر، 1952ء، ج 1، ص 331-7۔ ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1409ھ، ج 2، ص 147۔ 8- ابن کثیر، البدلیۃ والنہایۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1408ھ، ج 7، ص 260۔ 9- حضرت مفتی تقی عثمانی، اسلام اور فتنہ پروری، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2012ء، ص 72۔

اختتامیہ

(جنگِ جمل و صفین: تاریخ و آثارِ سلف کی روشنی میں)

یہ کتاب جسے آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، دراصل اسلامی تاریخ کے

ایک نہایت حساس اور نازک باب کا علمی و تحقیقی جائزہ ہے۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین وہ واقعات ہیں جنہوں نے امتِ مسلمہ کے سیاسی، فکری اور معاشرتی پہلوؤں پر گہرے اثرات ڈالے۔ ان واقعات کو محض تاریخی حادثہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ ایسے حقائق ہیں جن میں آئندہ نسلوں کے لیے نصیحت اور اصلاح کا گراں قدر سرمایہ موجود ہے۔ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب عدول اور محترم ہیں۔ ان کے اختلافات اجتہادی تھے، ان کی نیتیں پاکیزہ اور مقاصد خیر پر مبنی تھے۔ لہذا ان کی عظمت و تقدس کو سلام عقیدت پیش کرنا ہمارا دینی و ایمانی فریضہ ہے۔

خلاصہ: کتاب کے مختلف ابواب میں یہ بات واضح کی گئی کہ جنگِ جمل و صفین نے امت کو متعدد سیاسی و فکری سبق دیے۔ ان واقعات سے ہم نے یہ سیکھا کہ نیت و اخلاص کے بغیر کوئی عمل بارگاہِ الہی میں قابل قبول نہیں۔ اجتہادی خطا معاف ہے، اور اجتہاد کرنے والے کے لیے اجر ہے۔ امت کے اندرونی اختلافات دشمنانِ اسلام کے لیے تقویت کا سبب بنتے ہیں۔ فتنوں کے وقت قرآن و سنت کی طرف رجوع اور سلف کی ہدایات کو حرزِ جان بنانا ہی اصل نجات ہے۔ اتحادِ امت ہی سب سے بڑی ڈھال ہے جو امت کو فتنوں کی یلغار سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

اتحادِ امت کی دعوت: جنگِ جمل و صفین کے مطالعہ کے بعد سب سے بڑی اور بنیادی ضرورت یہی سامنے آتی ہے کہ امت اپنے باہمی اختلافات کو پس پشت ڈال کر اتحاد و یگانگت کے دامن میں پناہ لے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران: 103)۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً (صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، حدیث: 481، ج 1، ص 177، دار طوق النجاة)۔ یہ تعلیمات اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ امت کا اتحاد ہی اس کی سب سے بڑی قوت ہے۔ اگر ہم باہمی احترام، اخوت اور رواداری کے ساتھ آگے بڑھیں تو دنیا کی کوئی طاقت امت کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

صحابہ کا ادب: اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ بھی رہا کہ جنگِ جمل و صفین جیسے واقعات کو بیان کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و تقدس کو مجروح نہ ہونے دیا جائے۔ ہم نے یہ اصول سلفِ صالحین سے سیکھا ہے کہ صحابہ کے بارے میں زبان و قلم ہمیشہ ادب و احترام سے لبریز رہنا چاہیے۔ امام طحاویؒ (رحمہ اللہ) نے اپنے عقیدہ میں فرمایا: ونحب أصحاب رسول الله ﷺ ولا نفرط في حب أحد منهم، ولا ننبأ من أحد منهم (العقيدة الطحاوية، ص 689، مطبوعہ دار السلام، ریاض)۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا سرمایہ افتخار ہے کہ صحابہ سب محترم ہیں، سب کے ساتھ محبت و عقیدت واجب ہے، اور ان کے اختلافات میں طعن و تنقیص سے زبان بند رکھنا لازم ہے۔

قارئین سے دعا کی درخواست: اس تحقیقی کاوش کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ احساس ہے کہ یہ کام محض ایک قطرہ ہے سمندر کے مقابلے میں۔ اس میں علمی و تحقیقی کوتاہیاں رہ گئی ہوں تو وہ میری بشری کمزوری ہے، اور اگر کچھ خیر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسلاف کی برکت ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس حقیر

خدمت کو قبولیت کی دعا سے نوازیں، اور بالخصوص یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اتحاد و اتفاق کی دولت عطا فرمائے، فتنوں سے محفوظ رکھے، اور ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت و ادب پر قائم رکھے۔

صرہ

مفتی حبیب اللہ قاسمی

خادم الحدیث والافتاء

مؤسس و رئیس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سبٹر پور اعظم گڑھ یو پی انڈیا
تاریخ: 21/ربیع الاول 1447ھ، مطابق: 16/اگست 2025ء، یوم السبت (شنبہ)

